امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر: مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون: مولانا رضوان احمد ندوی

جلد نمبر 64/74 — مورخہ ۶؍صفر المظفر ۱۴۴۶ھ مطابق ۱۲؍اگست ۲۰۲۴ء روز سوموار — شمارہ نمبر-30

اس شمارہ میں

■ اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
■ دینی مسائل، حکایات اہل دل
■ آیئے ہم وقت کی قیمت کا تجزیہ کریں
■ تحریک آزادی میں ہمارے بزرگوں......
■ تاریخ آزادی۔ تاریخ ہند کا روشن باب
■ خلفاء راشدین کے چند اہم کارنامے
■ دینی مدارس کی مشکلات اور ہماری ذمہ داریاں
■ اخبار جہاں، ہفتہ رفتہ، طب وصحت

بین السطور

جدوجہد آزادی میں امارت شرعیہ کا حصہ

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

امارت شرعیہ کے اکابر نے غلام ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے جو جہد کی، وہ تاریخ کا روشن باب ہے، ترک موالات، خلافت تحریک میں شمولیت اور انڈی پینڈینٹ پارٹی کا قیام تحریک آزادی کو ہی کمک پہونچانے کی کوشش تھی، بانی امارت شرعیہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ (ولادت ۱۳۰۱ھ۔ وفات ۱۳۵۹ھ) حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار تھے اور ان کے متعلقین ومتوسلین مختلف انداز میں جدوجہد آزادی میں شریک رہے، کامریڈ تقی رحیم لکھتے ہیں: ’’امارت کے تمام رہنما اور اہم کارکن مذہبی اثر ورسوخ کے حامل ہونے کے ساتھ جانے ہوئے کٹر سامراج مخالف سیاہی رہنما بھی تھے، مولانا مشہود احمد ندوی قادری موجودہ پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، امیر شریعت اول مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ پر لکھے گئے ایک مضمون میں مولانا محمد سجادؒ کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں: ’’ایک مرد مجاہد اور آزادی کے سرخیل وعلم بردار حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ جو وقت اور زمانہ کے حالات کو دیکھ رہے تھے اور حالات کے صحیح نباض تھے‘‘۔ (ہمارے امیر ۸، مرتبہ مولانا رضوان احمد ندوی)

مولانا نورالحق رحمانی رقم طراز ہیں: ’’آپ مجاہد اعظم اور جنرل سپاہی بھی تھے، جب پہلی جنگ کی تیز وتند ہوا چلی اور زبردست طوفان اٹھا تو بہت سی قد آور شخصیت پستہ ہوگئیں، لیکن آپ مستحکم چٹان کی طرح جمے رہے، آپ حضرت شیخ الہند اور حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ جنگ آزادی میں شریک رہے، جب حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۹؍جولائی ۱۹۲۰ء کو ترک موالات کا فتویٰ دیا تو اس کو مرتب کر کے ۴۸۴ دستخطوں کے ساتھ شائع کرنے والی آپ ہی کی شخصیت تھی (ہمارے امیر ۳۹) مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے خطبۂ صدارت اجلاس مراد آباد میں آزادی کی لڑائی کے لئے ہندو مسلم کو متحد کرنے کی بات کہی، مولانا نے فرمایا کہ گھر کے غیر مسلم قوموں سے پہلے مصالحت وموادعت کی جائے، پھر بیرونی دشمنوں سے گھر کی حفاظت کی جائے، مولانا محمد سجادؒ محمد علی جناح کو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں: ’’اصلی فساد ہلاکت کا سرچشمہ برٹش حکومت کا دستور حکومت ہے یہ روگ بمنزلہ سل ودق کے ہے اور فرقہ وارانہ فسادات یا نوکریوں یا وزارتوں میں حق تلفی بمنزلہ پھوڑا پھنسی کے ہے‘‘ (مکاتب سجاد ۲۵) آگے لکھتے ہیں: ’’جناب کو معلوم ہے کہ اس کا علاج بجز اس کے کیا ہوسکتا ہے کہ حکومت کے موجودہ سسٹم میں کلیۃ انقلاب برپا کیا جائے، لیکن یہ انقلاب صرف تحریروں، تقریروں، جلسوں اور جلوسوں سے حاصل نہیں ہوسکتا اور نہ صرف ظالموں کو برا کہنے سے، اس کے لئے ہمیشہ صرف ایک اصول ہے کہ ظالموں اور جابروں کے استبداد کو ختم کرنے کے لئے اور اقامت عدل وانصاف ورضائے الٰہی کے لئے مظلوم قوم اپنے جان ومال کی قربانی پیش کرے اور اس اصول پر عمل کرنے کے لئے دو طریقے امتداد تاریخ عالم انسانی سے رائج ہیں، ایک طریقہ جہاد بالسیف ہے اور دوسرا طریقہ بغیر مدافعت جہاد اعلان حق اور تسلیم باطل سے قولاً وعملاً انکار، جس کو حرب سلمی بھی کہتے ہیں اور عرف عام میں عدم تشدد کے ساتھ سول نافرمانی‘‘ (مکاتب سجاد ۲۷)

مسلم لیگ نے آپ کے حرب سلمی کے مشورے کو نہیں مانا تو مولانا کو اس کا بہت افسوس ہوا، محمد علی جناح کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں ’’مجھے افسوس ہے کہ مسلم لیگ نے اصل مقصد کو پیش نظر رکھ کر برٹش شہنشاہیت کے خلاف حرب سلمی کے ذریعہ محاذ جنگ میں قدم رکھنے کا فیصلہ نہیں کیا، معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کی رہنمائی جن ہاتھوں میں ہے ان کی اکثریت آج بھی انگریزوں پر اعتماد رکھتی ہے (مکاتب سجاد ۳۲) مولانا نے کانگریس کے ترک موالات کی تجویز کی حمایت میں ایک فتویٰ بھی لکھ کر شائع کیا، سری کرشنا سنگھ اپنے تحقیقی مقالہ صفحہ ۱۶۸؍ پر لکھتے ہیں: ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق وہ بہار میں علماء کی تحریک کو جنم دینے والے ایسے خطرناک اور کٹر انتہا پسند تھے جس نے ابوالکلام آزاد اور پان اسلام ازم کے دوسرے بڑے داعیوں سے مل کر یہاں سب سے پہلے ایجی ٹیشن شروع کیا (جدوجہد آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۲۳۳)

امارت شرعیہ کے پہلے امیر شریعت حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ (ولادت ۱۸۵۲ء، وفات ۱۹۲۴ء) اس معاملہ میں اس قدر حساس تھے کہ ۱۹۱۵ء مطابق ۱۳۳۳ھ میں آپ کی علمی خدمات اور بااثر شخصیت ہونے کی وجہ سے انگریزوں نے انہیں شمس العلماء کا خطاب اور تمغہ دیا تھا، جسے بعض وقتی مصالح کی وجہ سے آپ نے قبول بھی کرلیا تھا، یکم اگست ۱۹۱۹ء مطابق ۱۳۳۸ھ میں خلعت وتمغہ دونوں کمشنر کو واپس کر دیا اور لکھا کہ: ’’میں اپنے دلی رنج وغم کا اظہار اس میں سمجھتا ہوں کہ اپنے خطاب شمس العلماء، خلعت وتمغہ وعطیہ سلطنت برطانیہ کو واپس کردوں؛ تاکہ اراکین سلطنت ہم لوگوں کے اس بے انتہا رنج وغم کا اس سے اندازہ کرلیں (ہمارے امیر ص ۷) مولانا کا یہ ردعمل برطانوی حکومت کے ذریعہ ہندو بیرون ملک پر ان ظالمانہ رویہ اور غیر منصفانہ اقدام کے نتیجہ میں سامنے آیا جو انگریزوں نے روا رکھا تھا، اس کی وجہ سے حضرت امیر شریعت اول انگریزوں سے سخت نفرت کرتے تھے اور وہ ان شرائط کو بھی ماننے کو تیار نہیں تھے جو انگریزوں نے ترک مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے لئے لگائے تھے، امیر شریعت اول نے تحریک خلافت اور تحریک موالات میں بھی حصہ لیا اور اپنے حلقہ کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ ملک کی آزادی کے لئے کام کریں۔ کامریڈ تقی رحیم لکھتے ہیں: ’’بہار میں عدم تعاون کا افتتاح بہاری مسلمانوں کے سب سے بڑے مذہبی رہنما مولانا شاہ بدرالدین قادری پھلواری شریف نے اپنے خطاب شمس العلماء کی واپسی سے کیا‘‘ (جدوجہد آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۱۸۹)

امیر شریعت ثانی مولانا محی الدین قادری اور مولانا سید شاہ قمرالدین رحمہما اللہ نے تحریک ترک موالات اور تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، کامریڈ تقی رحیم لکھتے ہیں: ’’امارت شرعیہ کے اثر میں آکر بہار کے مسلمان اپنے امیر کی ہدایت کے بموجب آزادی کی جدوجہد میں کانگریس کی مدد کرنے کو اپنا ضروری مذہبی فرض ماننے لگے تھے۔

امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ (ولادت ۱۹۱۲، وفات ۱۹۹۱ء) شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے انتہائی معتمد اور چہیتے شاگرد تھے، جب حضرت مدنی جیل میں تھے تو آپ نے بھی آزادی کی لڑائی کو تیز کرنے کے لئے جیل کی صعوبتیں برداشت کیں، دوبار جیل گئے اور جدوجہد آزادی میں اپنا حصہ ادا کیا، مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے جدوجہد آزادی میں جو عملی اقدامات کئے اس کی وجہ سے وہ میرٹھ، مظفر نگر، سہارن پور ضلع میں تحریک آزادی کے ذمہ دار (ڈکٹیٹر) بنائے گئے، آزادی کے لئے بڑے مصائب جھیلے۔ ۱۹۳۶ء میں مسلم انڈ پینڈنٹ پارٹی کے ٹکٹ پر آپ کامیاب بھی ہوئے، لیکن ۱۹۴۰ء میں پارلیمانی سیاست سے آپ کنارہ کش ہوگئے، حافظ امتیاز رحمانی اپنے مضمون ’’جنگ آزادی اور حضرت امیر شریعتؒ‘‘ میں لکھتے ہیں: ’’پارلیمانی سیاست سے علحدگی کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت نے تحریک آزادی سے اپنے آپ کو الگ کرلیا تھا یا خانقاہ رحمانی کے مریدین، مخلصین اور متوسلین کو یہ ہدایت دی کہ وہ تحریک آزادی سے اپنے آپ کو الگ کرلیں، حضرت نے ملک وملت کے وسیع تر مفاد کے پیش نظر سرگرمی کے ساتھ جدوجہد جاری رکھی اور تحریک آزادی کی جدوجہد میں جو خفیہ سرکلر، پوسٹر اور پمفلٹ شائع ہوکر بہار کے بڑے حصے میں تقسیم ہوا کرتے تھے، ان کی طباعت کا سب سے بڑا مرکز خانقاہ رحمانی تھا (امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، مرتبہ مولانا عمید الزماں قاسمی ص ۴۷۹)

پانچویں امیر شریعت حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب (ولادت ۱۹۰۳، وفات ۱۹۹۸) بھی سچے محب وطن اور جدوجہد آزادی میں اکابر امارت کے شانہ بشانہ رہے، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی سابق ناظم امارت شرعیہ لکھتے ہیں: ’’آپ سچے محب وطن اور مجاہد آزادی بھی تھے، جنگ آزادی میں بے لوث حصہ لیا تھا، ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر راجندر پرساد سابق صدر جمہوریہ کی قیادت میں چھپرہ شہر میں کام کیا، حق منزل جو اس زمانہ میں سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا، وہاں قیام کرتے (ہمارے امیر ۲۵)

چھٹے امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ (۱۹۲۷، وفات ۲۰۱۵ء) آزادی کی تحریک کے وقت بالکل جوان تھے اور دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کے ذریعہ چلائی جارہی تحریک کے دست وبازو تھے۔ مولانا شاہ فیاض عالم ولی اللہی جدجہد آزادی میں اپنے اور مولانا سید نظام الدین کے رول کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ’’ہم دونوں دیہاتوں میں نکل جاتے اور لوگوں کو انگریزوں کے خلاف بھڑکاتے، راستہ میں کھانے کے لئے جھولے میں بھنے ہوئے چنے اور گڑ رکھ لیتے تھے، کھانا ملا تو کھالیا نہیں تو چنے اور گڑ کھا کر پانی پی لیا، (باتیں میر کارواں کی، از عارف اقبال ۱۶۶)

ان کے علاوہ قاضی حسین احمد صاحب جو امارت شرعیہ کے ایک زمانہ میں ناظم تھے، آزادی کے لئے ان کی محنت قابل رشک تھی، ترک موالات کے مسئلہ سے دوسرے قائدین کی طرح قاضی احمد حسین بھی متفق تھے، (بقیہ صفحہ ۸؍ پر)

اچھی باتیں

’’وقت دکھائی نہیں دیتا، مگر دکھا بہت کچھ جاتا ہے ☆ بارش کا قطرہ سیپی اور سانپ دونوں پر گرتا ہے، سانپ اسے زہر بناتا ہے، اور سیپی اسے موتی، جس کا جیسا ظرف ویسی اس کی تخلیق ☆ زندگی میں اپنے ہنر پر کبھی غرور مت کرنا کیوں کہ پتھر پانی میں اپنے ہی وزن سے ڈوب جاتا ہے ☆ اپنی چوکھٹ پر کسی فقیر کو ذلیل مت کرنا وہ صرف بھیک لینے نہیں دعا دینے بھی آتا ہے ☆ ہر وقت دھیان رکھنا کہ کوئی اللہ سے تمہاری شکایت نہ کردے ☆ غلط کو غلط کھل کر کہیں، کیوں کہ تاریخ ٹکرانے والوں کی لکھی جاتی ہے، تلوے چاٹنے والوں کی نہیں۔ (حاصل مطالعہ ومشاہدہ)

بلا تبصرہ

’’اسلام کا تصور آزادی مغرب کی طرح عیاشی، فحاشی، دشنام طرازی اور مذاہب کے مسلمات پر تمسخر اور استہزا سے بالکل الگ ہے، وہ ہر انسان کو خدائی احکام اور ہدایت وطریقہ رسول کا پابند دیکھنا چاہتا ہے، آزادی کے نام پر شریعت سے ذرہ برابر انحراف کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے، اسی کے اندر تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد سما جاتے ہیں، اسلام یہ کہتا ہے کہ بندگی صرف اللہ کی کی جائے گی، دوسرے کسی کی نہیں، اللہ رب العزت نے اسے آزاد پیدا کیا ہے، وہ آزاد ہے، لیکن اللہ ورسول کے دائرے میں رہتے ہوئے، جہاں تک اختیار کی بات ہے اللہ نے بندوں کو اختیار دیا ہے کہ وہ اپنا راستہ خود چن لے۔‘‘ (واحد متکلم)

اللہ کی باتیں ـــــ رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

ہمت وحوصلہ سے زندگی گذاریئے

اور تم ہمت مت ہارو اور رنج وغم مت کرو اور آخر تم ہی غالب رہو گے، اگر تم پورے مومن رہے، اگر تم کو زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے اور ہم لوگوں کے درمیان دنوں کو ادلتے بدلتے رہتے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیں اور یہ کہ تم میں سے بعضوں کو شہید کا درجہ عطا فرمائیں گے اور اللہ ظلم کرنے ولوں سے محبت نہیں رکھتے ہیں" (سورہ آل عمران: ۱۴۰)

مطلب: پچھلی قوموں کی تاریخ پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ اس بات کی شہادت دیں گے کہ ان کی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں بڑے بڑے انقلاب آئے، ان کے عروج وزوال کی تاریخ کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے کہ ہم دنیا کے مدوجزر کی تاریخ پڑھ رہے ہیں، بڑے بڑے شہنشاہ وحکمراں گزرے جن کے اشاروں پر حکومت کی باگ ڈور تھی لیکن جب انہوں نے عناد وسرکشی کی راہ اختیار کی تو اللہ نے ان کی حکومت کے تختہ کو پلٹ دیا، شہنشاہیت کا شیرازہ بکھر گیا، بادشاہوں کا کبر وعناد ٹوٹا، حکومت بدلی، نظام اور قانون بدلا، اس تبدیلی نظام میں قوموں کیلئے ایک عبرت ہے کہ وہ اپنے رشتہ کو خالق سے مضبوط بنائے، اپنے ایمان وعقدے کو مستحکم بنائے اور حکومت وسلطنت کو خدا کی امانت تصور کرے کیونکہ عروج وزوال یہ ایک خدائی قانون ہے، اس لئے مسلمانوں کو حالات کے اتار چڑھاؤ سے کبھی بھی شکستہ دل نہیں ہونا چاہئے، ہمت ہار کر بیٹھ جانا کوئی دانشوری نہیں ہے، دراصل ہوا یہ کہ غزوۂ احد ۳ ہجری میں مسلمانوں کو ابتدائی فتح کے بعد شکست سے دوچار ہونا پڑا، جس سے وہ کچھ کبیدہ خاطر ہوگئے، لیکن پھر اللہ نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور دشمن پسپا ہوگئے، چنانچہ قرآن نے جانثار صحابہ کو تسلی دی کہ کمزوری اور سستی اپنے پاس نہ آنے دو، رنج وغم میں اپنا وقت اور توانائی صرف کرنے کے بجائے مستقبل میں اپنے کام کی درستی کی فکر کرو اور اسے کامیاب بناؤ، اس آیت کے ضمن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا کہ اس قرآنی آواز نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور پژمردہ جسموں میں تازہ روح پھونک دی، غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی کس طرح تربیت واصلاح فرمائی اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو ایک ضابطہ اور اصول دیدیا کہ گذشتہ فوت شدہ امور پر رنج وملال میں وقت صرف کرنے کے بجائے آئندہ کیلئے قوت وشوکت کے اسباب بہم پہونچائے، پھر اس کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ غلبہ اور بلندی حاصل کرنے کے لئے صرف ایک ہی چیز اصل ہے، ایمان اور اس کے تقاضے پورے کرنا (معارف القرآن، جلد اول) اس سے معلوم ہوا کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے مخلص مومن بندہ کا امتحان لیتا ہے اور انہیں مصیبت وپریشانی سے دوچار کرتا ہے تاکہ اس کا تزکیہ ہوتا رہے، لہٰذا اگر ہم اسلام کے قوانین فطرت پر عمل پیرا ہوں گے تو ترقی کے دروازے کھلے رہیں گے اور اگر حالات سے مغلوب ہوگئے اور ہمت ہار دیا تو مدارج بلندی سے محروم ہوجائیں گے، کیونکہ حالات اور دن ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، زمانہ یونہی ادلتا بدلتا رہتا ہے، اس لئے گردش ایام سے نہ تو پریشان ہونا چاہئے اور نہ غم زدہ، لہٰذا ہمت وحوصلہ سے زندگی گذاریئے، فکر ونظر کو بلند رکھئے اور پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے رہئے، یہی مومن کی شان ہونی چاہئے اور اسی میں کامیاب زندگی کا راز بھی پوشیدہ ہے۔

نگاہیں نیچی رکھئے

"حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اجنبی مرد، اجنبی عورت کے ستر کو ہرگز نہ دیکھے، نہ ہی عورت کسی اجنبی مرد کے ستر کو دیکھے" (مشکوۃ شریف)

وضاحت: عفت وعصمت کی حفاظت سے صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے اور انسانوں کی عزت اور اس کا وقار بلند ہوتا ہے، اس لئے شریعت نے حکم دیا کہ کوئی اجنبی مرد کسی اجنبی عورت کے ستر پر نگاہیں نہ جمائے، یہ اس کی عزت وشرافت کے خلاف عمل ہے، چاہے یہ بدنگاہی شہوت ولذت کی خاطر ہو یا آنکھوں کی تسکین وفرحت پہونچانے کے لئے ہو، بہرصورت ناجائز اور حرام ہے، ایسے شخص پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے جو کسی اجنبی عورت کی جانب نظر جمائے، یا اپنے ستر کے حصے کو دوسروں کو دیکھنے کا موقعہ دے تو یہ گناہ ہے، ہاں اگر اتفاقیہ طور پر کسی عورت یا مرد کی نظر پڑ جائے تو فوراً نگاہ کو پھیر لے، دوسری اور تیسری مرتبہ نہ دیکھے، یا نظر جما کر نہ رکھے، اس لئے ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ آنکھیں زنا کرتی ہیں، آنکھوں کا زنا دیکھنے سے ہوتا ہے، دونوں ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں ان کا زنا کسی اجنبی عورت کو چھونا ہے، بسا اوقات علاج ومعالجہ کے لئے ڈاکٹر وحکیم امراض کی تشخیص کے لئے مجبوری کی حالت میں ستر کھولنے کے لئے کہتا ہے تو بقدر ضرورت دیکھنے کی اجازت ہے، مگر بے ضرورت ستر کھولنا یا اپنے حسن کی نمائش کرنا قطعی طور پر جائز نہیں ہے، اسلام بالکل اس کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی اجنبی مرد کسی اجنبی عورت کے سامنے عریاں یا نیم عریاں حالت میں جائے اس سے ایک دوسرے کے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں اور گناہ میں ملوث ہونے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے، اس لئے جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، اللہ نے ان کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور ایسے لوگ جو شرم وحیا کا پاس ولحاظ نہیں رکھتے، عفت وعصمت کی حفاظت نہیں کرتے ایسے لوگوں کو سخت عذاب سے ڈرایا گیا ہے، چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ "جو لوگ اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں یا باندیوں کے کہ ان سے تعلق پر کوئی ملامت نہیں، البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور کا طلب گار ہو تو وہی لوگ حد سے گذر جانے والے ہیں، دوسری جگہ فرمایا گیا کہ مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہی ان کے لئے پاکیزگی ہے لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ سب سے خبردار ہے، ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جس کے اندر ذرا سی بھی شرافت وغیرت ہوگی وہ اپنی عفت وعصمت کی حفاظت سے کسی حال میں بھی لاپرواہی نہیں برتیں گے، کیونکہ شرم وحیا بھی ایمان کا حصہ ہے۔

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

بہنوں کا میراث سے اپنا حصہ معاف کردینا

س: جن جگہوں پر بہنوں کو میراث سے حصہ نہ دینے کا رواج ہے وہاں عام طور پر بہنیں اپنا حصہ نہیں لیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم نے اپنا حصہ معاف کردیا، اگر وہ خود معاف نہیں کرتیں تو بھائی لوگ معاف کرا لیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ شرعاً اس معافی کا اعتبار ہوگا یا نہیں اور ان کا حصہ ختم ہوگا یا نہیں؟

ج: مورث کے انتقال کے ساتھ ہی اس کے ترکہ میں وارثین کا حق وحصہ خود بخود وابستہ ہوجاتا ہے اور یہ حق اضطراری اور جبری ہوتا ہے جو کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، لہٰذا صورت مسئولہ میں جبکہ بہنوں کو میراث سے حصہ نہیں دیا جاتا اور وہ سمجھتی بھی ہیں کہ ہمیں تو حصہ ملنے والا ہے نہیں، سماجی رسم ورواج اور معاشرتی دباؤ کی وجہ سے بادل ناخواستہ اپنا حق معاف کردیتی ہیں یا بھائی لوگ ان سے معاف کرا لیتے ہیں، جیسا کہ سوال سے واضح ہے تو شرعاً اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس سے ان کا حصہ ختم نہیں ہوگا بلکہ ان کو بھی حصہ ملے گا: "لو قال ترکت حقی من المیراث أو برئت منها أو من حصتی لایصح وهو علی حقه، لأن الإرث جبری لایصح ترکه" (تکمله رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الدعویٰ، باب دعویٰ النسب: ۱۱۲/۱۲)

البتہ اگر جائداد تقسیم کرکے بہنوں کو ان کے حصہ پر مالکانہ قبضہ دیدیا جائے، جس میں تصرف کی انہیں مکمل آزادی ہو، پھر وہ اپنی رضامندی اور خوش دلی سے نہ کہ علاقے کے رسم ورواج یا دباؤ سے اپنا حصہ اپنے بھائیوں کو ہبہ کرکے ان کو اس پر قابض ودخیل بنادیں تو یہ دینا شرعاً صحیح ہوگا اور بھائی اس کے مالک ہوں گے: "وتتم الهبة بالقبض الکامل" (الدر المختار علی صدر رد المحتار: ۴۹۳/۸)

جہیز کی وجہ سے وراثت سے محروم کرنا

س: بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکیوں کو شادی کے موقع پر جہیز دیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے بھائی لوگ بہنوں کو ماں باپ کے ترکہ سے محروم کردیتے ہیں، بھائیوں کا کہنا ہوتا ہے کہ جب جہیز دے دیا گیا تو وراثت سے ان کا حصہ ختم ہوگیا، کیا اس طرح کا معاملہ شرعاً صحیح ہے؟

ج: اولاد کو زندگی میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ہبہ ہے اور ہبہ میراث کا بدل نہیں ہوتا، کیونکہ میراث کا تعلق مورث کے انتقال کے بعد ہوتا ہے اور یہ ایسا حق ہوتا ہے جو کسی کے ختم کرنے سے ختم نہیں ہوتا: "الإرث جبری لایسقط بالإسقاط" (تکمله رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الدعویٰ، باب التحالف: ۶۷۸/۱۱)

لہٰذا صورت مسئولہ میں والد نے اپنی لڑکیوں کو یا بھائیوں نے اپنی بہنوں کو جو سامان جہیز دیا وہ ان کی طرف سے ہدیہ وتحفہ اور تبرع واحسان ہے، وراثت کا بدل نہیں ہے: "لو جهز ابنته وسلمه الیها لیس له فی الاستحسان استرداده منها وعلیه الفتویٰ" (الفتاویٰ الهندیة: ۳۲۷/۱) وہ اس کی وجہ سے ماں باپ کی میراث سے محروم نہیں ہوں گی، بلکہ ان کو بھی وراثت میں شرعی حصہ ملے گا، بھائیوں کا یہ کہنا کہ جہیز کی وجہ سے وراثت سے ان کا حصہ ختم ہوگیا شرعاً غلط اور بے بنیاد ہے، جہیز دینا ایک رسم ہے جبکہ وراثت میں حصہ دینا فرض ہے، جہیز نہ دینے سے عند اللہ کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، جبکہ وراثت میں حصہ نہ دینے سے سخت مواخذہ ہوگا: "یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ" (النساء: ۱۱) وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ (النساء: ۱۴) اس لئے بھائیوں پر لازم ہے کہ بہنوں کو ان کا شرعی حصہ دیں ورنہ عند اللہ سخت پکڑ ہوگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو کسی وارث کو اس کا حصہ نہیں دے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت کے حصہ سے محروم کردیں گے: "عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة" (ابن ماجه، ص: ۱۹۸، کتاب الوصایا، باب الحیف فی الوصیة)

وصیت کو کینسل کرکے ہبہ کرنا

س: والد کے پاس ایک مکان ہے جو تین منزلہ ہے، ہر منزل پر دو دو فلیٹ ہے، ان کے دو لڑکے ہیں اور ایک لڑکی، والد نے وہ مکان دونوں لڑکوں کے لئے وصیت کردی اور لڑکی سے یہ تحریر لے لیا کہ وہ اس مکان میں اپنا حصہ نہیں لے گی، پھر بعد میں والد نے اس وصیت کو کینسل کرکے مکان تینوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کردیا اور ہر ایک کو اس کے حصہ پر قابض ودخیل بنادیا، لیکن لڑکے والد کے اس فیصلہ سے خوش نہیں ہیں، کیونکہ اس میں لڑکے ولڑکی سب کو برابر برابر حصہ دیا گیا ہے، جواب سے نوازیں۔

ج: بیٹا چونکہ وارث ہے اور وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں ہے: "لقوله علیه الصلوٰة والسلام: ان الله قد اعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث" (سنن ابو داؤد: ۳۹۶/۲، کتاب الوصایا) نیز مذکورہ وصیت میں لڑکی کو وراثت سے بالکل محروم کرنا لازم آتا ہے اور یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی وارث کو وراثت سے محروم کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت کے حق سے محروم کردیں گے: "عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة" (ابن ماجه، ص: ۱۹۸)

لہٰذا اگر والد نے اپنی اس غلطی کو درست کرتے ہوئے اپنی مذکورہ وصیت (جس سے رجوع کا انہیں پورا حق ہے) کو کینسل کردیا اور پھر شریعت کا قانون ہبہ (جس میں لڑکے ولڑکی دونوں کو برابر دینے کا حکم ہے) کے مطابق اپنی تینوں اولاد (دونوں لڑکے وایک لڑکی) کے درمیان اپنا مکان برابر برابر تقسیم کرکے ہر ایک کو اس کے حصہ پر قابض ودخیل بنادیا تو انہوں نے شریعت کے مطابق صحیح کیا اور تینوں اپنے اپنے حصہ کے شرعاً مالک ہوئے: "ویجوز للموصی الرجوع عن الوصیة... واذا صرح بالرجوع أو فعل مایدل علی الرجوع کان رجوعاً" (هدایه: ۶۶۰/۴) "وتتم الهبة بالقبض الکامل" (الدر المختار علی صدر رد المحتار: ۴۹۳/۸)

لڑکوں کو والد کے اس صحیح فیصلہ پر خوش ہونا چاہئے اور ان کے تعلق سے کوئی کدورت اپنے سینہ میں نہیں رکھنی چاہئے، رہا لڑکوں کا یہ کہنا کہ لڑکے کو دو حصہ دینے کے بجائے لڑکے اور لڑکی دونوں کو برابر برابر دے دیا گیا، تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ لڑکے کو دو حصہ اور لڑکی کو ایک حصہ وراثت کی تقسیم ہے، جو مورث کے انتقال کے بعد عمل میں آتی ہے، زندگی میں اولاد کے درمیان جائداد کی تقسیم ہبہ ہے اور ہبہ میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان برابری ومساوات ضروری ہے: "لقوله علیه الصلوٰة والسلام فاتقوا الله واعدلوا بین اولادکم" (الصحیح للبخاری: ۳۵۲/۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

Scanned with CamScanner

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب

پھلواری شریف

جلد نمبر 64/74 شمارہ نمبر 30 مورخہ ۶/صفر المظفر ۱۴۴۶ھ مطابق ۱۲/اگست ۲۰۲۴ء روز سوموار

یوم آزادی

پندرہ اگست ۲۰۲۴ء کو ہندوستان اپنی آزادی کی ستترویں سالگرہ منارہا ہے، اس سالگرہ کو یادگاری بنانے کے لیے مرکزی حکومت اپنے لوگوں سے اپنی مرضی کی تاریخ بیان کرارہی ہے اور ان لوگوں کو ہائی لائٹ کیا جارہا ہے، جن کی کارکردگی تحریک آزادی میں یا تو تھی نہیں یا تھی تو برائے نام تھی، اس معاملہ میں خصوصیت سے مسلمانوں کو نظر انداز کرنے کی روش چل پڑی ہے، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا حسرت موہانی، مولانا محی الدین قادری، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی، اشفاق اللہ خان، مولانا احمد اللہ صادق پوری، مولانا جعفر تھانیسری رحمہم اللہ اور ان جیسے ہزاروں مجاہدین کی خدمت کو قابل ذکر نہیں سمجھا جارہا ہے، حالاں کہ جدوجہد آزادی میں مسلمان دوسرے لوگوں کی بہ نسبت سو سال قبل سے لگے ہوئے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو پہلے غدر کہا جاتا تھا، اب شعور بیدار ہوا ہے تو اسے پہلی جنگ آزادی سے تعبیر کیا جاتا ہے، جب کہ مسلمان ۱۷۵۷ء سے ہی انگریز بھگاؤ مہم سے لگ گیے تھے، ٹیپو سلطان وغیرہ کا دور ۱۸۵۷ء سے پہلے کا ہے، جنہوں نے انگریزوں سے لوہا لیا اور یہ کہتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کردی کہ "گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے"۔

مادر وطن کے ایسے جانباز سپوتوں کو فراموش کرکے دوسرے لوگوں کے گن گان کرنا اور تاریخ کو دوبارہ لکھنے کی بات اس تحریک کا حصہ ہے، جسے ہم ہندتوا کے نام سے جانتے ہیں اور جس کی جڑیں ہندوستانی سیاست میں اس قدر پیوست ہوگئی ہیں کہ بظاہر اس سے باہر آنے کی شکل ناممکن تو نہیں، دشوار معلوم ہوتی ہے، ایسے میں ہمیں بھی یوم آزادی کے موقع سے ان مجاہدین کو خصوصیت سے یاد کرنا چاہیے جن کو قصداً بھلانے کی کوشش کی جارہی ہے، حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی قاضی القضاۃ امارت شرعیہ نے آزادی کے پچاس سال مکمل ہونے پر کاروان آزادی کے نام سے پورے ہندوستان کا سفر کیا تھا، گرد کارواں کے طور پر یہ حقیر (محمد ثناء الہدیٰ قاسمی) بھی بہت ساری جگہوں پر شریک تھا، ہر جگہ قاضی صاحب نے یہ تحریک چلائی کہ گم نام مجاہدین آزادی پر کتابیں مرتب کی جائیں، چنانچہ بہار کے مسلم مجاہدین آزادی پر مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب تیار کی تھی، احقر کا ایک مضمون بھی اس میں شامل تھا، یہ ضرورت اب بھی باقی ہے، ہم تاریخ کے دفینوں سے گمنام مسلم مجاہدین آزادی کو نکال کر لائیں اور علمی دنیا کے سامنے رکھیں، جب تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش ہو رہی ہو تو ہماری ذمہ داری صحیح تاریخ لکھنے اور پیش کرنے کی کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتی ہے۔

یقیناً ہندوستان نے آزادی کے ان پچھہتر سالوں میں بیش بہا ترقی کی ہے، کئی معاملوں میں ملک خود کفیل ہوا ہے، غربت کا رونا ہم چاہیں، جتنا روئیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ آزادی کے بعد سے لوگوں کے معیار زندگی میں بڑی تبدیلیاں آئی ہیں، غلام ہندوستان میں زمیندار اور رجواڑے ہی چین کی زندگی گذارتے تھے، عام لوگوں کی حیثیت رعیت اور بندھوا مزدوروں جیسی تھی، آزادی کے بعد عام لوگوں کے لیے سہولیات کے دروازے کھلے، زمین داری ختم ہوئی تو زمین کا بڑا حصہ کاشتکاروں کے ہاتھ لگا، ونوبا بھاوے کی بھودان تحریک نے بھی سماج کے پس ماندہ طبقات تک زمین پہونچانے کا کام کیا، بہت ساری جگہوں پر سرکاری اداروں کے کھولنے کی شکل بنی، جن گھروں میں سائیکل دستیاب نہیں تھی، اب ان گھروں میں کئی کئی موٹر سائیکل؛ بلکہ کاریں نظر آتی ہیں، ہندوستان میں غذائیت کی کمی کے باوجود ہندوستان، صومالیہ ایتھوپیا، سری لنکا، نیپال کی طرح پریشان حال نہیں ہے۔

دوسری طرف گذشتہ بیس سالوں میں مختلف حوالوں سے آزادی پر پابندی لگائی جارہی ہے، اب حکومت طے کرتی ہے کہ ہم کیا کھائیں گے، کہاں نماز پڑھیں گے، اذان مائیک سے ہوگی یا نہیں، نصاب میں کیا پڑھایا جائے گا، بے گناہوں کو کس طرح این آئی اے اور ای ڈی کے ذریعہ ہراساں کیا جائے گا، مخالفین کی زبان بندی کے کیا طریقے ہوں گے، اہم موضوعات سے عوام کی توجہ ہٹا کر کس طرح انہیں غیر ضروری معاملات میں الجھا دیا جائے گا، آزادی کا مطلب اب یہ ہے کہ حکومت آزاد ہے، وہ جس طرح چاہیے معاملہ کرے، عوام کی قسمت میں مہنگائی ہے، بے روزگاری ہے، تشدد ہے اور نظروں میں امن وسکون کی آس ہے، جو دور دور تک غائب ہے، اس طرح فیض کے لفظوں میں یہ داغ داغ اجالا اور شب گزیدہ سحر ہے، اور یقیناً مجاہدین آزادی نے اپنی جان کا نذرانہ ان داغ داغ اجالوں کے حصول کے لیے نہیں دیا تھا، اسی لیے فیض کہتے ہیں۔

ابھی گرانیٔ شب میں کمی نہیں آئی — نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی — چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

حکومت ہند کی اوقاف پر بُری نظر

اوقاف ملت کا قیمتی اثاثہ ہیں، جسے ہمارے بڑوں نے ملت کے فلاحی اور رفاہی کاموں کے لیے وقف کیا تھا، مساجد، مزارات، خانقاہیں، مسافر خانے، قبرستان وغیرہ سب کا تعلق اوقاف سے ہے، زمینیں اسی کام کے لیے وقف ہیں، اور اس کی آمدنی سے ان کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، شرعی اعتبار سے ان کی آمدنی یا زمینوں کو واقف کی منشا کے خلاف استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے، مسلمانوں کے لیے یہ شرعی معاملہ ہے اور مسلم پرسنل لا کے تحت آتا ہے۔

وقف بورڈ ایکٹ پہلی بار 1954 میں پاس ہوا تھا، موقع بموقع اس میں ترمیمات ہوتی رہیں، آخری ترمیم کے بعد امیر شریعت سابع مولانا محمد ولی رحمانیؒ نے تحریک چلائی تھی، اور امارت شرعیہ نے اپنی افرادی و مالی قوت سے اس میں جان ڈالی تھی، مختلف شہروں کا دورہ ہوا تھا اور ایک قسم کے دباؤ کے نتیجے میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی کئی ترمیمات کو سرکار نے قبول کرلیا تھا، اور ملت اسلامیہ ہندیہ نے چین کی سانس لیا تھا۔

لیکن حکومت ہند کی اوقاف پر پھر بُری نظر پڑنے لگی ہے، وہ رواں پارلیمانی اجلاس میں وقف بورڈ سے متعلق ترمیمات منظور کرانا چاہتی ہے، یہ چالیس ترمیمات ہیں، جس پر وزیر اعظم نے اپنی کابینہ سے منظوری لے لی ہے، ان ترمیمات کے نتیجے میں اوقاف کی حیثیت ختم ہوکر رہ جائے گی، اور سرکار کی منظوری کے بغیر نئے اوقاف کا اندراج نہیں ہوسکے گا، اگر یہ ترمیمات منظور ہوجاتی ہیں تو ان کی آمدنی اور زمینوں کا استعمال واقف کی منشا کے مطابق بھی نہیں کیا جاسکے گا، اس طرح یہ شریعت میں مداخلت ہوگی، جسے مسلمان کسی بھی قیمت پر قبول نہیں کرے گا، حضرت امیر شریعت دامت برکاتہم نے ان ترمیمات کے خلاف عوامی بیداری، قانونی چارہ جوئی اور ایوان میں اوقاف کی حیثیت کی برقراری کے لیے مدلل مباحثہ کی ضرورت پر زور دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر یہ بل پارلیامنٹ میں پیش ہوتا ہے تو اسے سلیکٹ کمیٹی کے حوالہ کرنا چاہیے، تاکہ اس پر سلیقے سے غور وفکر کیا جاسکے؛ چنانچہ ۸/اگست ۲۰۲۴ء کو حکومت کی طرف سے یونین منسٹر کرن رججو نے وقف ترمیمی بل ۲۰۲۴ء ایوان زیریں میں بحث کے لئے پیش کیا، اپوزیشن پارٹیوں خاص طور پر کانگریس اور ترنمول کانگریس نے اس بل کی خامیوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اسے سلیکٹ کمیٹی کے پاس بھیجنے کی سفارش کی جب کہ دائیں بازو کی حلیف پارٹی جس میں جدیو بھی شامل ہے اس نے اس بل کے حق میں ووٹ دیا؛ لیکن اپوزیشن پارٹیوں کی شدید مخالفت کی وجہ سے یہ بل لوک سبھا میں پاس نہیں ہوسکا اور اسے جوائنٹ پارلیمانی کمیٹی (جے پی سی) کو غور وخوض کے لئے بھیج دیا گیا، اس کے لئے اکتیس (۳۱) نفری کمیٹی بھی بنادی گئی ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وزارت برائے اقلیتی امور نے دسمبر 2022 میں ایک سوال کے جواب میں پارلیامنٹ کو بتایا تھا کہ وقف بورڈ کے پاس ساڑھے نو لاکھ ایکڑ آراضی اور 7.8 لاکھ غیر منقولہ جائیدادیں ہے، اس طرح وہ ریلوے اور فوج کے بعد سب سے زیادہ غیر منقولہ جائیداد کی مالک ہے، یہ اعداد وشمار وقف بورڈ میں درج جائیدادوں کے ہیں، جو زبانی طور پر وقف ہیں، یا جو عملی طور پر بغیر کسی اندراج کے مسجد، قبرستان وغیرہ کے استعمال میں ہیں، ان کا شمار اس فہرست میں نہیں ہے، ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ اوقاف کی زمینوں کا غلط مصرف بھی لیا جارہا ہے، بہت ساری زمینوں پر اپنوں اور غیروں نے ہی قبضہ کر رکھا ہے، سروے کا کام اب تک مکمل نہیں کیا جاسکا ہے، اوقاف کے متولی حضرات اور مختلف ریاستوں میں قائم وقف بورڈ کے ذمہ دار بھی اپنی ذمہ داریوں کے معاملہ میں سست واقع ہوئے ہیں، وقف املاک کے تجاوزات اور غیر قانونی قبضے کو ہٹانے میں وقف بورڈ ناکام رہا ہے، کیوں کہ وہ خالی کرانے کے لیے ان دفعات کا سہارا نہیں لے پارہا ہے، جس کے سہارے سرکاری زمینوں کو خالی کرایا جاتا ہے، وقف املاک کی خرید وفروخت کا کام بھی غیر قانونی طور پر ہورہا ہے۔

ان حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ وقف ایکٹ کو مزید مضبوط کیا جائے، نہ کہ اس میں ترمیم کرکے سب کچھ سرکار کے قبضے میں دیدیا جائے، حالات انتہائی ناگفتہ بہ ہیں، اور حکومت کی بُری نظر ملت کے اس قیمتی اثاثے کو تباہ وبرباد کرنے پر لگی ہوئی ہے، ایسے میں ضرورت ہے کہ پورے ملک کے اوقاف کے ذمہ داران، ضلعی کمیٹی کے صدور وسکریٹریز، وکلاء، علماء، دانشوران، ارکان پارلیمان وغیرہ اس مسئلہ پر سر جوڑ کر بیٹھیں اور کوئی لائحہ عمل طے کریں تاکہ اوقاف کی حفاظت کی جاسکے، اور سرکار کے دست برد کے ساتھ دوسروں سے بھی اس کا تحفظ کیا جاسکے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تجویز وتحریک پر امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ کے زیر اہتمام چار صوبے (جس میں مغربی بنگال کو بھی شامل کیا گیا ہے) ایک خصوصی اجلاس 15 ستمبر 2024 کو باپو سبھاگار، گاندھی میدان پٹنہ میں رکھا گیا ہے، تاکہ اس معاملہ پر کھل کر بحث کی جاسکے، عوامی بیداری کے ساتھ سرکاری نقطۂ نظر کے مضر اثرات سے عوام کو باخبر کیا جاسکے۔

بنگلہ دیش میں انقلاب

جون 2024 سے بنگلہ دیش میں جاری بدامنی، تین سو سے زائد افراد کی ہلاکتیں اور قانون وحکمرانی کی بالادستی کے خاتمہ کے بعد فوج کی مداخلت سے بنگلہ دیش کی خاتون آہن، پانچ بار کی وزیر اعظم شیخ حسینہ واجد کو استعفیٰ دیکر ملک چھوڑ دینا پڑا، فوجی سربراہ جنرل وقار الزماں نے انہیں 45 منٹ کا صرف وقت دیا تھا کہ وہ استعفیٰ دے کر ملک چھوڑ دیں، اس کے لیے فوج نے انہیں ہیلی کاپٹر کے ذریعہ فوجی ایریبس پہونچایا اور وہاں سے وہ فضائیہ کے ایک ہوائی جہاز سے غازی آباد کے ہیڈن میں فوجی اڈے پر اتریں اور وہاں سے انہیں نامعلوم محفوظ جگہ منتقل کردیا گیا ہے، چند دنوں قیام کے بعد ان کا ارادہ برطانیہ، سوئزرلینڈ یا فن لینڈ روانہ ہونے کا ہے، تاکہ بنگلہ دیش اور ہندوستان کے تعلقات پر ان کے سیاسی پناہ کا اثر نہ پڑے، اس سے قبل شیخ مجیب الرحمٰن کے قتل کے بعد بھی وہ اندرا گاندھی کی حکومت کے زمانہ میں یہاں پناہ گزیں ہوئی تھیں، وہ باحفاظت ملک سے اس لیے نکل پائیں کہ وقار الزماں ان کے رشتہ میں چچیرے بہنوئی ہیں، اگر فوج کا کوئی دوسرا سربراہ ہوتا تو ان کا اور ان کی بہن ریحانہ کا حشر بھی بنگلہ دیش کے راشٹر پتا شیخ مجیب الرحمٰن جیسا ہوتا، جنہیں فوج نے ان کے خاندان کے اٹھارہ افراد کے ساتھ گولی سے بھون دیا تھا، یہ دونوں بہنیں اس لیے بچ گئی تھیں کہ ان دنوں وہ جرمنی میں تھیں۔

بنگلہ دیش میں فوجی انقلاب اور تختہ پلٹ کی یہ کہانی نئی نہیں ہے، اس کا آغاز 15 اگست 1975 سے ہوا تھا، جب فوج کے جونیر افسران سید فاروق رحمٰن اور میجر راشد نے شیخ مجیب الرحمٰن کا تختہ پلٹ دیا تھا، اور ان کے ساتھ ان کے خاندان کے لوگوں کو قتل کردیا تھا، اس کے بعد یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ 7 نومبر 1975، 30 مئی 1981، 24 مارچ 1982، 11 جنوری 2007، 26 فروری 2009 کو بھی تختہ پلٹ کی کارروائی ہوئی اور ان تمام معاملات میں فوج کہیں نہ کہیں سامنے یا پس پردہ رہی، جنرل ضیاء الرحمٰن کو صدر کے عہدہ پر رہتے ہوئے قتل کردیا گیا، خالدہ ضیاء ان کی اہلیہ ہیں، جو دو بار بنگلہ دیش کی پہلی اور عالم اسلام کی دوسری خاتون وزیر اعظم رہیں، شیخ حسینہ کے دور میں انہیں نظر بندی اور جیل میں گذارنا پڑا، انقلاب آتے ہی انہیں صدر نے رہا کرنے کا حکم دیا ہے، اور تمام سیاسی پارٹی کے مشورہ سے عبوری حکومت تشکیل دی جاچکی ہے۔

شیخ حسینہ کا دور بنگلہ دیش میں معاشی ترقی اور سیاسی جبر واستبداد کا دور رہا ہے، انہوں نے اسلامی فکر وخیال رکھنے والے کئی لوگوں کو موت کی سزا دی، جماعت اسلامی پر پابندی لگائی، اور ان پر کریک ڈاؤن ہوا، ان کی سیاست وزیر اعظم مودی کی طرح تھی، وہ اندرون ملک خلفشار اور احتجاج کو بزور طاقت دبانا چاہتی تھیں اور خارجہ پالیسی میں ملک کی بہتری کے لیے کام کرتی تھیں، انہوں نے بنگلہ دیش کو معاشی اعتبار سے اس قدر مضبوط کیا کہ پاکستان اس سے پچھڑ گیا اور سری لنکا جیسے احوال وہاں نہیں پیدا ہوسکے۔

دوسری طرف وہ عوامی احتجاج پر قابو نہیں پاسکیں، آزادی کے بعد سے ان مجاہدین کے بچوں کے لیے جنہوں نے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے کے لیے مسلح جدوجہد کی تھی، ملازمتوں میں 30 فیصد ریزرویشن تھا، بنگلہ دیش کے نوجوان اس رزرویشن کے خلاف تھے، ان کا کہنا تھا کہ ان کے بچوں تک تو یہ بات ٹھیک تھی، لیکن وراثت میں انہیں رزرویشن ملے یہ عقل وخرد سے بعید ہے، اس سے دوسرے نوجوانوں کی حق تلفی ہوتی ہے، ان کے حوصلے پست ہوتے ہیں، ان کو اپنی محنت کا صلہ نہیں ملتا تو ان کے اندر باغیانہ تیور ابھرتے ہیں، جو ملک کے لیے نقصان دہ ہے۔

شیخ حسینہ اندرونی خلفشار کی اس آندھی کو سمجھ نہیں پائیں، انہوں نے قانون کی بالادستی اور حکمرانی کے وقار کے لیے پولیس اور فوج کو لگادیا، جنہوں نے اپنی قوت کا استعمال کرکے تین سو نوجوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، یہ آندھی بڑھتی گئی، ڈھاکہ پہونچی، چنانچہ شیخ حسینہ واجد کو استعفیٰ بھی دینا پڑا، انہیں اپنی خواہش کے مطابق قوم کے نام پیغام رکارڈ کرنے کا موقع بھی نہیں دیا گیا اور دو واٹیچی کپڑے کے ساتھ ملک سے فرار ہونا پڑا، یہ ہوتی ہے عوامی قوت اور طاقت۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

پاگل آندھی توڑ کے رکھ دیتی ہے بند دروازوں کو — اندر آنا منع ہے لکھ کر لٹکانے کا حاصل کیا

Scanned with CamScanner

یادوں کے چراغ

✍: مولانا ہمایوں اقبال ندوی

مولانا کبیرالدین فوزان رح

مورخہ 21 جولائی 2024ء کو پٹنہ میں سیمانچل کے معروف ادیب وقلمکار اور مایہ ناز استاد جناب مولانا کبیرالدین فوزان صاحب کا دوران علاج انتقال ہوگیا، 23 جولائی 2024ء بعد نماز ظہر مرحوم کی اپنے آبائی گاؤں گنڈ واس میں تدفین ہوئی۔ باری تعالی اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور جنت الفردوس نصیب کرے، آمین۔

یوں تو زمانہ طالب علمی سے ہی مولانا کبیرالدین فوزان صاحب کا نام سنا کرتا تھا مگر ملاقات کا موقع نہیں مل سکا۔ دارالعلوم ضیاء الاسلام بوجگاؤں ضلع پورنیہ میں دارالعلوم ندوۃ العلما کی سب سے پرانی شاخ ہے، یہ فوزان صاحب کے علاقہ میں واقع ہے، تقریباً انیس سال پہلے جب بحیثیت مدرس وہاں میری تقرری ہوئی تو قریب سے مولانا کو دیکھنے، سننے اور ملنے کا موقع نصیب ہوا۔ مولانا کی صلاحیت کا علاقہ میں بڑا شہرہ تھا، جس سے ملتے وہ فوزان صاحب کی اجتہادی صلاحیت کا معترف نظر آتا، جس انٹرویو میں مولانا کی موجودگی ہوتی تو امیدواروں کی حالت غیر نظر آتی، کبیرالدین کا سامنا کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

یہ باتیں سن سن کر میں بھی مرعوب ہوا کہ اتنی بڑی شخصیت سے ملاقات کے وقت کیا گفتگو کی جانی چاہیے؟ اسی درمیان ایک دن حضرت سے میری ملاقات ہوگئی، اپنا نام ومقام بتلایا تو کہنے لگے کہ "مولوی منصور میرا شاگرد ہے جو آپ کے والد ہیں" مزید انتظار رہا کہ اپنے علمی وقلمی کاوش پر روشنی ڈالیں گے، حضرت نے اپنی تعریف میں اس کے بعد نہ کسی کتاب کا نام لیا اور نہ اپنی کسی علمی کاوش کا ذکر کیا، بس اپنے شاگرد سے اپنا تعارف تمام کردیا۔ یہ ادا مجھے بہت پسند آئی، اس جملہ میں اتنی کشش اور اپنائیت تھی کہ پہلی ملاقات میں ہی اجنبیت چلی گئی، اور یہیں سے دادا پوتا کا رشتہ قائم ہوگیا، اسی نسبت کی وجہ سے تاحیات مجھ سے مولانا کی بڑی بے تکلفی رہی، ہمیشہ شفقت کا معاملہ فرماتے، بوجگاؤں کے بعد 2011ء میں میری بحالی ارریہ شہر کے قدیم اور تاریخی ادارہ مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ ارریہ میں ہوگئی، مولانا کا اکثر یہاں آنا جانا رہتا، جب بھی تشریف لاتے مولوی ھمایوں کہاں ہیں؟ کہ کر تلاش کرواتے اور ڈھونڈ کر ملنے کا موقع عنایت فرماتے۔ فجزاھم اللہ

والد صاحب کی خیریت بھی ہمیشہ لیا کرتے تھے، اس بات سے ہمارے دل میں مولانا کی عظمت اور بڑھتی چلی گئی کہ اس بڑھاپے کے عالم میں جب ہر کوئی اپنی فکر میں محو رہتا ہے، مولانا کو اپنے شاگردوں کی فکر دامنگیر ہے۔ کئی بار اس احساس کا اظہار میں نے اپنے ابو جان سے بھی کیا اور خود پر فوزان صاحب کی ذرہ نوازی بتلائی تو والد صاحب نے بالتفصیل مولانا مرحوم کی یہ خوبی مجھ سے بیان کیں کہ: "1964ء میں مولانا کبیرالدین فوزان صاحب مدرسہ تنظیمیہ باراعیدگاہ ضلع پورنیہ میں، ہمارے بہت ہی مخلص مشفق استاد رہے ہیں، فقہ وعربی ادب کی کتابیں ہم لوگوں نے ان سے پڑھی ہے۔ نہایت ہی خاکسار اور ملنسار انسان ہیں اور ہم طلبہ کے لئے وہ ایک استاد ہی نہیں بلکہ ایک مشفق باپ کی مانند تھے۔ نادار طلبہ کا مولانا بڑا خیال فرماتے، کسی طالب علم کو کبھی رنجیدہ اور کبیدہ خاطر دیکھا، فوراً اس کی تحقیق فرماتے اور ان کی پریشانی کو دور کرنے کی سعی کرتے، روایتی طریقۂ تعلیم کے قائل نہیں تھے، ان کا درس سوال وجواب کا مجموعہ ہوتا، طلبہ کو درسگاہ میں بولنے اور سوال پوچھنے کی مکمل آزادی حاصل تھی، سبق یاد نہیں ہونے پر بچوں کی مار پیٹ کے سخت مخالف تھے، ایسے اساتذہ جو مارتے ان سے مولانا کی بنتی بھی نہیں تھی، بچوں کی تعلیم کے ساتھ ان کی تربیت کا خاص خیال فرماتے، مغرب کی نماز کے بعد ہر کمرے میں جاجا کر بچوں کی نگرانی اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ مولانا ابراہیم تاباں، مولانا اسماعیل رموزی، مولانا محسن ندوی، مولانا کبیرالدین اصغر، مولانا وسیم اختر جیسے باصلاحیت اساتذہ کرام کی ایک جامع تعداد باراعیدگاہ میں اس وقت موجود تھی، طلبہ جلدی ان حضرات سے ملنے کی ہمت نہیں کرتے مگر مولانا سے بے باکانہ انداز میں طلبہ اپنے مسائل پیش کیا کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ جب فوزان صاحب جامعہ دارالہدی کریم نگر حیدرآباد کی دعوت پر بحیثیت مدرس جانے لگے تو طلبہ میں صف ماتم بچھ گئی اور خود بھی مولانا آبدیدہ ہوگئے، اور وعدہ کیا کہ میں جلد ہی لوٹ کر تمہارے درمیان آؤں گا، ابھی کچھ حالات ہمارے ساتھ ہیں، تم لوگ صبر کرو، اس وعدہ کو پورا بھی کیا، کم وبیش پانچ سال رہ کر مدرسہ تنظیمیہ باراعیدگاہ میں آکر دوبارہ استاد ہوئے۔ ارریہ سے مرحوم کو کافی لگاؤ رہا ہے، ادبی علمی اور فکری مجلس میں شرکت کے لئے حاضر ہوجاتے، زبیر الحسن غافل، قمر مسعود، ماسٹر عبدالحلیم، ڈاکٹر سالک، ہارون رشید غافل، پروفیسر مرحوم اختر حسین سے بڑی قربت رکھتے تھے، اور جب بھی ارریہ آتے تو اپنے دو شاگردوں کو ضرور ڈھونڈ کر حال واحوال لیا کرتے، انمیں ایک مولانا نسیم الدین صاحب کھر یہ بستی کے اور دوسرا میں ہوا کرتا تھا"۔

آج مولانا کبیرالدین فوزان صاحب کے وصال پر لوگ کہ رہے ہیں کہ سیمانچل کے ایک بڑے ادیب وقلمکار کا انتقال ہوا ہے یہ کہنا بجا ہے اور مبنی برحق ہے، اس میں اس جملہ کا بھی اضافہ ہونا چاہیے کہ سیمانچل کے ایک بڑے مشفق ومربی استاد کا انتقال ہوگیا ہے۔ یہ نقصان ہمارے لئے زیادہ بڑا ہے۔ ادیب وقلمکار کی آج کے زمانہ میں کمی نہیں ہے، مگر ایک استاد کی جو مذکورہ بالا اوصاف کے حامل ہوں، باپ کی مانند شفیق ہوں، اپنے شاگردوں کے حق میں بہترین مربی ہوں اور اس رشتہ کا تاحیات پاس ولحاظ رکھتے ہوں، بڑی کمی نظر آتی ہے۔ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معلمانہ زندگی ہمیں ان اوصاف سے متصف ہونے کی تعلیم دیتی ہے۔ حضرت مولانا کبیرالدین فوزان صاحب مرحوم نے اس نقش قدم پر چلنے کی سعی کی ہے۔ باری تعالی شرف قبولیت سے نوازے، آمین

جن کے کردار سے آتی ہو صداقت کی مہک
ان کی تدریس سے پتھر بھی پگھل جاتے ہیں

کتابوں کی دنیا

✍: مولانا رضوان احمد ندوی

(تبصرہ کے لئے کتابوں کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

خودنوشت سوانح حیات (ماسٹر محمد قاسم صاحب)

اکابر اولیاء اور بزرگان دین کے احوال وآثار اور ان کی سوانح عمری پڑھنے سے ایمان ویقین میں تازگی، فکر ونظر میں وسعت وبلندی اور دل ودماغ میں گداز پیدا ہوتا ہے، تزکیہ نفس اور اصلاح حال کا جذبہ ابھرتا ہے پھر ایک معمولی آدمی بھی غیر معمولی اور مثالی انسان بن جاتا ہے۔ تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ جب میرے والد ماجد حضرت الحاج مولانا سلطان احمد صاحب نے شیخ طریقت، مصلح امت، عارف باللہ حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب زاد اللہ شرفا وتعظیما سے بیعت وارشاد اور قلبی اصلاح کا تعلق قائم کیا تو حضرت مدظلہ کی نظر کیمیا نے ان کے شب وروز کی زندگی کے رنگ وآہنگ کو بدل دیا، عبادت وریاضت میں خشوع وخضوع اور انابت ورجوع الی اللہ کی کیفیت بدل گئی، یہ منظر میں نے اپنی آنکھوں سے بارہا دیکھا ہے تو جب کسی کیمیا گر کی نظر عنایت وتوجہ سے احوال وکیفیات بدل سکتے ہیں تو کیا ان کی نورانی زندگی اور ملفوظات روحانی کے مطالعہ سے دل کی دنیا نہیں بدل سکتی؟ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "گو مجھ سے کوئی بیعت نہ ہو، لیکن عقیدت کے ساتھ میری کتابیں لے کر کونے میں بیٹھ جائے، ان شاء اللہ واصل الی المقصود ہو جائے گا۔"

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی بقیۃ السلف ولی کامل حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب زاد اللہ عمرہ ناظم مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا دربھنگہ کی ذات گرامی ہے، جنہوں نے خود اپنے گوہر بار قلم سے خودنوشت سوانحی خاکہ سے قارئین کو متعارف کرایا۔ اس کی نوعیت اس طرح کی دوسری سوانحی کتابوں سے مختلف ہے، چونکہ سوانح حیات میں حقیقت نگاری بڑی مشکل چیز ہوتی ہے لیکن حضرت مدظلہ نے واقعات کو ان کی اصلی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس میں کسی قسم کی رنگ آمیزی اور مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا ہے۔

یہ خودنوشت سوانح عمری صرف آپ بیتی ہی نہیں بلکہ اپنے اکابر کے حالات وسوانح کا حسین مرقع اور مختصر انسائیکلوپیڈیا ہے جس کے مطالعہ سے نہ صرف دل ودماغ اور قلب ونظر کی بہت سی گرہیں کھلتی ہیں بلکہ قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان ملکوتی صفات اہل اللہ کی محفل علم وعرفاں سے مستفیض ہو رہا ہے چونکہ اس حقیر کو حضرت کی خودنوشت سوانح عمری پر ایک نظر ڈالنے کی سعادت حاصل ہوئی، مجھ جیسا بے بضاعت اور بے علم اس کا کیا ادراک کر سکے۔

الحمدللہ حضرت نے اپنے حالات کو نہایت ہی اختصار کے ساتھ جمع کردیا ہے، کتاب ہرچند کے بہت مختصر ہے اور حالات کے ذکر میں اگرچہ کافی اختصار سے کام لیا گیا ہے لیکن اہل علم اور عوام وخواص کے لئے بڑے کام کی چیز ہے اس کے مطالعہ سے آدمی کو اپنی زندگی کا صحیح رخ متعین کرنے میں بڑی مدد ملے گی خاص کر یہ کتاب معرفت واحسان کے متلاشیوں کے لئے دیرینہ خوابوں کی حسین تعبیر ہے، خدا اس کتاب کو نافع اور ایمان ویقین پیدا کرنے کا ذریعہ بنائے، یہ حقیر حضرت مدظلہ کی اس علمی کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور موجب برکت ورحمت سمجھتا ہے۔

خدایا ان کا سایہ دیر تک قائم رہے ہم پر
کہ جن کی دید سے ہوتا ہے ایمان ویقین پیدا

کتاب دو ابواب میں منقسم ہے، باب اول عکس زندگی پر مشتمل ہے، جس میں حضرت مدظلہ نے اپنی زندگی کے احوال وکیفیات، تعلیم وتربیت، حج وزیارت بیت اللہ کی منظر کشی، تدریسی زندگی کے تجربات اور بزرگان دین کے روحانی کمالات وزیارت پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا، اپنے مرشد سراج الامت حضرت مولانا سراج احمد امروہی کے اوصاف وکمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے۔ "آپ حکیم الامت حضرت تھانوی کے تربیت یافتہ تھے، اس لئے اس باب میں آپ کی تربیت اور اصلاح کا طریقہ قدرۃً وہی تھا جو حضرت تھانوی کے اثر اور فیضان سے ہونا چاہئے تھا، اللہ نے ہمارے پیر ومرشد کو حسی اور معنوی دونوں طرح کی کرامتوں سے نوازا تھا، آپ صاحب کشف وکرامت بزرگ عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ مستجاب الدعوات میں سے تھے، جب بھی دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھائے رب ذوالجلال کی رحمت متوجہ ہوئی۔" (صفحہ ۱۹)

اور باب دوم میں اس حقیر نے حضرت ماسٹر صاحب کی چند مجالس کے ارشادات وملفوظات کو نقل کیا ہے تاکہ تشنگان علم ومعرفت کے لئے نشان راہ ثابت ہو یہاں ایک ملفوظ بیان کیا جاتا ہے۔

"فرمایا کہ انسان کا جسم دو چیزوں سے مرکب ہے، ایک روح دوسرا جسم جب کسی انسان کے جسم کو روگ لگتا ہے، اور وہ بیماریوں سے دوچار ہوتا ہے، تو جسمانی ڈاکٹر وطبیب سے رابطہ کرنا پڑتا ہے، وہ اپنا علاج ومعالجہ کرتا ہے ڈاکٹر کے نسخہ اور اس کی صلاح ودوا کو عمل میں لاتا ہے اللہ پاک صحت وتندرستی اور توانائی کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے، اسی طرح روحانی بیماریاں ہوتی ہیں روح کو مختلف قسم کے روگ لگ جاتے ہیں، اس کی شناخت وپہچان اور علاج کے لئے روحانی ڈاکٹر حضرات مشائخ عظام، اولیاء اللہ ہیں، جو روحانی امراض کے نسخے تجویز فرماتے ہیں اور صلاح وتقوی کی دوا دے کر طریقہ استعمال بتلاتے ہیں، جو مریض نسخے کے مطابق عمل کرتا ہے، دھیرے دھیرے اس کی روح تندرست وصحت مند اور راہ تقوی کا منارہ صلاح وفلاح اور مرکز توجہ بن جاتی ہے۔"
(خزانہ تصوف ص ۷۹)

اس طرح یہ کتاب ۷۲؍صفحات پر مشتمل ہے، طباعت وکمپوزنگ بہت عمدہ ہے اور زبان وبیان بھی صاف ستھری ہے۔ خواہشمند حضرات اس کتاب سے استفادہ کے لئے موبائل نمبر 9570806326 پر رابطہ کرسکتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

حکایات اہل

مولانا رضوان احمد ندوی

بصرہ کے ایک عابد وزاہد تابعی: عامر بن عبد القیس کے وجود پر شہر بصرہ نازاں تھا، صرف بصرہ ہی میں نہیں بلکہ لوگوں کا خیال تھا کہ اس زمانہ میں وہ دنیا بھر کے عابد وزاہد لوگوں پر فائق ہیں، شوق وذوق کا وہ غلبہ تھا کہ تمام رات ایک منٹ کو نہیں سوتے تھے، فرائض اور دیگر وظائف کے علاوہ دن رات میں ہزار رکعتیں پڑھتے کبھی قضا نہ ہوتی تھیں، بہت سے ظاہر بین خشک مزاج لوگ اُن کو دیوانہ سمجھیں گے کہ خدا نے رات سونے کے لئے بنائی ہے، دن کاروبار کے لئے، ہر دم نماز و وظائف میں لگے رہنا فطرۃ اللہ کے خلاف ہے، بعض کوتاہ نظر اہلِ علم ان پر مخالفت سنت کا الزام لگائیں گے کہ طریقۂ مسنون یہ ہے کہ رات کو آرام بھی کیا جائے اور عبادت بھی، کوئی کچھ کہے مگر یہ معذور تھے، اپنے اختیار اور قابو ہی میں نہ تھے کہ کسی قاعدے کی پابندی کریں، غلبۂ شوق نے ان کی نیند اُڑا دی تھی اور قرۃ عینی فی الصلوۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔حدیث) کی راحت نے تمام لذاتِ طبعی دل سے بھلا کر ایک طرف طبیعت لگا دی تھی: "ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون" (ہم نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔الذاریات:۵۶) کی قدیم ندا اور بے مثل وبے ساز آواز ان کو مدہوش کر رہی تھی، بار بار فرماتے تھے کہ "بھذا امرت ولھذا خلقت" (مجھ کو یہی حکم دیا گیا ہے اور میں اسی کام کے لئے پیدا ہوا ہوں) کسی نے پوچھا کہ جناب عامر صاحب ہم لوگوں کو اپنی مختصر نمازوں میں دنیا بھر کے خیالات گھیر لیتے ہیں آپ دن رات نماز میں رہتے ہیں آپ کو بھی کچھ خیال آتا ہے، کہا ہاں ضرور خیال آتا ہے، جب نماز شروع کرتا ہوں تو بروز قیامت خدا تعالیٰ کے سامنے بے کس وبے بس کھڑے ہونے کی حالت پیش نظر ہو جاتی ہے اور جب سلام پھیر کر نماز ختم کرتا ہوں تو وہاں سے واپسی کی صورت آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو اپنے تقدس وصلاحیت پر نازاں ہو کر یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ عوام مجھ پر کبھی بدگمانی نہ کریں گے بلکہ تہمت کے مواقع سے احتراز کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ نہایت متقی اور نہایت پرہیزگار شخص کو بھی تمام لوگ ایک آنکھ سے نہیں دیکھتے اور ہر شخص ایک ہی قسم کا خیال نہیں کرتا، بلکہ بعض محبت اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور بعض مخالفت اور ناراضگی کی نظر سے دیکھتے ہیں، لہٰذا شریر لوگوں کی تہمت تراشتے اور گمانِ فاسد کرنے سے احتراز لازم ہے، اس لئے کہ شریر النفس لوگوں کے دل میں ہر شخص کی نسبت بُرا ہی خیال گزرتا ہے، اس لئے جب کسی شخص کو دیکھو کہ لوگوں کی بدگمانی میں مبتلا رہتا ہے اور ہمیشہ اُن کے عیب کی طلب وتلاش میں رہتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ خبیث الباطن ہے اور یہ باطنی خبث ہے جو اس کے افعال واقوال سے ٹپک رہا ہے، چونکہ خود خبیث ہے ایسا ہی دوسروں کو خیال کرتا ہے، شانِ مومن یہ ہے کہ دوسروں کو معذور سمجھے اور منافق کی عادت یہ ہے کہ عیوب کو تلاش کرے، مومنِ کامل کا سینہ تمام مخلوق کی طرف سے صاف اور بے لوث ہوتا ہے، جناب عامر کو اپنے شغلِ عبادات میں لوگوں کی بدگمانی اور خیالات کی پروانہ ہوئی، لوگوں نے بلا تحقیق اپنے گمانِ فاسد کے مطابق ان کی چند شکایتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچائیں۔

(۱) نکاح نہیں کرتے (یا تو جائز ہی نہیں سمجھتے یا کم از کم ترکِ سنت ضرور کرتے ہیں) (۲) گوشت کبھی نہیں کھاتے۔ (۳) اماموں پر اعتراض کرتے ہیں اور جمعہ کی نماز میں کبھی شریک نہیں ہوتے۔

معتبر ذرائع سے ان شکایات کو سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مناسب سمجھا کہ ان کو بصرہ سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے، کیوں کہ ہر شخص کی بدگمانی کو دُور کرنا دُشوار تھا اور حکام پر اعتراض کرنے سے انتظام میں خلل آنے کا اندیشہ تھا۔

ملک شام میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت معاویہؓ عامل وحاکم تھے، جن کا حسنِ انتظام وتدبر سب کو تسلیم تھا، حضرت عثمانؓ سمجھتے تھے کہ حضرت معاویہؓ کے زیر نظر رہنا عامر کے لئے بھی مفید ہوگا اور انتظام وسکون کے خلل کا اندیشہ بھی رفع ہو جائے گا، اس لئے حکم دیا کہ آپ ملکِ شام میں جا کر رہیں، امیر اور حاکم کی اطاعت کی جو تعلیم مختلف ومؤثر عنوانات سے جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے وہ جناب عامر سے مخفی نہ تھی، نہ کوئی عذر کیا نہ کسی قسم کی سرکشی اور انحراف، شام کو روانہ ہو گئے۔شام میں پہنچ کر انہوں نے سب کاموں پر حضرت معاویہؓ کی ملاقات کو دینی اور دنیوی لحاظ سے مقدم سمجھا، جن کو صرف ملک شام کا گویا مستقل حاکم (برائے نام ماتحت) ہونے کی حیثیت حاصل تھی، بلکہ جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کی دینی عزت بھی باعثِ فخر تھی۔

ان کے متعلق الزام اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم اور اس کی مصلحت سے حضرت معاویہؓ ان کے آنے سے پہلے مطلع ہو چکے تھے، جب یہ ملاقات کے لئے تشریف لائے تو حسنِ اتفاق سے حضرت معاویہؓ کھانا کھا رہے تھے، دسترخوان پر ثرید (یعنی روٹی کے ٹکڑے گوشت میں ڈالے ہوئے) موجود تھا، حضرت معاویہؓ کی فرمائش سے جناب عامر کھانے میں شریک ہو گئے اور بڑے شوق سے ثرید کھایا، معاویہؓ سمجھ گئے کہ عامر بے قصور ہیں اور ان کی نسبت جس قدر شکایتیں ہیں وہ سب افترا والزام ہیں۔معاویہؓ نے پوچھا کہ جناب آپ کو یہ بھی خبر ہے کہ کس الزام پر آپ کو بصرہ سے نکالا گیا ہے، عامر نے کہا کہ مجھے کچھ اطلاع نہیں ہے، معاویہؓ نے فرمایا کہ امیر المومنین (عثمانؓ) کو لوگوں نے خبر پہنچائی کہ تم گوشت نہیں کھاتے اس کی حقیقت تو ابھی معلوم ہوگئی کہ آپ نے میرے سامنے گوشت کھا لیا اور یہ کہ نکاح کو جائز نہیں سمجھتے، اماموں پر اعتراض کرتے ہو اور جمعہ کی نماز میں حاضر نہیں ہوتے۔

عامرؒ ان بے اصل تہمتوں کو سن کر حیران رہ گئے اور کہنے لگے کہ یہ سب باتیں لوگوں کی غلط فہمی سے مجھ پر چسپاں ہو گئی ہیں، ورنہ ان میں سے ایک بات بھی میرے اندر نہیں ہے، جمعہ کے لئے مسجد میں جاتا ہوں لیکن (لوگوں کی گردنوں پر پھلانگنے اور ایذا دینے کے خوف سے) سب سے پچھلی صفوں میں نماز پڑھتا ہوں اور نماز پڑھ کر فوراً واپس آجاتا ہوں (کیوں کہ نوافل وسنن کا مکان میں پڑھنا مسنون اور افضل اور ریا سے بعید ہے) گوشت کے متعلق آپ نے خود مشاہدہ فرما لیا ہے کہ مجھے کچھ پرہیز نہیں ہے، لیکن ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ ایک قصاب بکری کو ذبح کرنے کے واسطے کھینچے لئے جاتا تھا اور خریداروں کو بلانے کے لئے کہتا جاتا تھا کہ "آجاؤ چلتا ہوا مال ہے۔آجاؤ چلتا ہوا مال ہے"۔

اس بدتمیز نے یہی کہتے کہتے بکری کو ذبح کر دیا اور ذرا بھی خدا کا نام نہ لیا، اس روز سے بازار کے گوشت سے نفرت ہو گئی، بالکل کھانا چھوڑ دیا، اگر کبھی ضرورت اور رغبت ہوتی ہے تو خود بکری ذبح کر کے کسی قدر گوشت کھا لیتا ہوں۔

نکاح کی نسبت یہ عرض ہے کہ نکاح کو حلال ومسنون سمجھتا ہوں لیکن اتنی مدت تک کوئی مناسب موقع نہیں ملا، البتہ ان ایام میں جب کہ مجھے بصرہ چھوڑ کر شام کو جانے کا حکم ہوا ہے میرے رشتہ اور نکاح کی گفتگو ہو رہی تھی، جو اس سفر کی وجہ سے ناتمام رہ گئی۔حضرت معاویہؓ تو پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ عامر بے قصور ہیں، ان کے بیان سے اور زیادہ حقیقت واضح ہو گئی اور فرمایا کہ اگر آپ اپنے وطن واپس ہونا پسند کریں تو خلیفۃ المسلمین سے سفارش کر کے آپ کو واپس جانے کی اجازت دلا دوں، عامرؒ نے فرمایا کہ مجھے ایسے شہر میں واپس جانا گوارا نہیں ہے جس کے باشندوں نے مجھ پر ایسی بے دردی سے الزام لگائے ہیں، اس کے بعد عامرؒ نے سواحلِ شام میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور اپنی عبادت وذکر اللہ میں مشغول رہنے لگے۔

معاویہؓ ان سے نہایت تعظیم وتوقیر کا معاملہ فرماتے اور جب ملاقات ہوتی تو دریافت فرماتے کہ کوئی کام اور کوئی ضرورت ہو تو فرمایئے، ان کی قناعت اور زاہدانہ زندگی نے ان کو ایسا مستغنی بنا رکھا تھا کہ ہمیشہ انکار کرتے، ایک دفعہ حضرت معاویہؓ نے حسبِ دستور یہی دریافت فرمایا تو ہنس کر کہنے لگے کہ اور تو کوئی حاجت نہیں ہے البتہ میرے وطن کی گرمی اور دھوپ یہاں منگا دیجئے، اس لئے کہ آپ کے اس ملک میں روزے کا وہ لطف ہی نہیں آتا، سرسبز وشاداب ملک ہے، موسم معتدل ہے نہ آفتاب کی تیزی ہو نہ دھوپ کی سختی نہ پیاس کی بے قراری، روزہ رکھنے سے نفس کو جس قدر تکلیف وہاں ہوتی تھی یہاں نہیں۔

جب کسی لشکر میں شریک ہو جاتے تو اپنی طبیعت کے مناسب دو چار ساتھی منتخب کر کے یہ شرط کر کے ان کے ساتھ رہتے کہ میں تمہاری خدمت کیا کروں گا اور حتی الوسع تم پر اپنا مال خرچ کروں گا اور اذان بھی دیا کروں گا، جب تک موافقت رہتی رفاقت میں بسر کرتے، جب ان باتوں میں سے کسی پر کوئی ساتھی ان سے جھگڑا یا مخالفت کرتا تو ناراض ہو جاتے اور اُن ساتھیوں کو چھوڑ دیتے، فرمایا کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی محبت کے لطف نے مجھ پر تمام مصیبتوں کو آسان کر دیا ہے اور محبوبِ حقیقی کی مقدر کی ہوئی تمام باتوں پر مجھ کو رضامند کر دیا ہے، کوئی بات ناگوارِ خاطر ہی نہیں ہوئی اور اس محبت کے مشغلہ میں مجھ کو پرواہ ہی نہیں ہوتی کہ کس حالت میں صبح ہوئی اور کیسی حالت میں شام، لوگوں کو اپنے اپنے کاروبار میں لگا ہوا دیکھتے، تو خدا تعالیٰ کی طرف عجز ونیاز سے متوجہ ہو کر عرض کرتے کہ اے میرے کارساز معبود سب لوگ اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کی تلاش میں پھر رہے ہیں، میں بھی اپنی حاجت لے کر تیرے دروازہ پر حاضر ہوا ہوں، میری بس ایک ہی حاجت ہے اس کو پورا فرما دے، وہ یہ کہ میری مغفرت فرما دے۔

ایسے مشاقانِ جمالِ حقیقی کو موت سے کیوں کر کراہت ہوتی وہ تو سمجھتے تھے کہ "الموت جسد یوصل الحبیب الی الحبیب" (موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست کی طرف پہنچا دیتا ہے) انتقال کا وقت ہوا تو بار بار یہ دعا پڑھتے تھے اور اسی پر خاتمہ ہو گیا: "اللّٰھم انی استغفرک من تقصیری وتفریطی واتوب الیک من جمیع ذنوبی لاالٰہ الا انت" (یا الٰہی تیری اطاعت وعبادت میں مجھ سے جو تقصیر اور کوتاہی ہوئی ہے اس کی معافی چاہتا ہوں اور تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے) (ماخوذ: الحسنات، مارچ ۲۰۱۱ء)۔

بدگمانی کا ایک نصیحت آموز واقعہ: حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد شہر کے کنارے چہل قدمی کر رہے تھے کہ ایک کنارے دو جوان لڑکا لڑکی بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے آگے ایک بوتل رکھی ہوئی تھی حضرت نے سمجھا کہ یہ دونوں شام ڈھلنے کے انتظار میں ہیں اور بدکاری کرنے والے ہیں اور ان کے سامنے شراب رکھی ہوئی ہے سوچا کہ جا کر ذرا ان سے پوچھ لوں، جب لڑکے سے دریافت کیا تو وہ کہنے لگا کہ یہ میری بہن ہے ہم دونوں روزے سے ہیں اور سورج غروب ہونے کے انتظار میں ہیں بوتل میں زمزم ہے اور ہم سید خاندان سے ہیں، شیخ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور اپنے آپ کو خوب ملامت کیا پھر ان کو گھر لے جا کر خوب اکرام کیا۔

کسی سے نفرت کی وجوہات میں سے ایک وجہ بدگمانی بھی ہے کیونکہ اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ پوچھ لیں کہ یہ کام آپ نے کیوں کیا ہے یا کیا بھی ہے کہ نہیں، بس بدگمانی کرنا شروع کر دیتے ہیں لہٰذا بدگمانی کرنے سے پہلے اتنی زحمت کر لیں کہ ایک دفعہ خود بھی وجہ پوچھ لیں تا کہ تسلی ہو اور ہمیشہ کیلئے نفرت سے نجات ملے۔

مغفرت کا ایک عجیب واقعہ: "اخلاق محسنی" ایک کتاب ہے اس میں ایک عجیب واقعہ پڑھا ایک شخص نے ایک درخت بویا، وہ مر گیا سالہا سال کے بعد ایک مسافر وہاں سے گزر رہا تھا سخت گرمی تھی، لو چل رہی تھی، تھکا ماندہ تھا اس درخت کے سائے میں بیٹھا تھوڑی دیر آرام کیا، جب ٹھنڈی ہوا چلی، جب تھوڑی دیر ٹھہرا تو اسے بڑا سکون ہوا اس نے کہا اے اللہ جس نے یہ درخت لگایا ہے اس کی مغفرت فرما دے بعد میں کسی نے اسے خواب میں دیکھا تو اس سے پوچھا کیا حال؟ انہوں نے کہا میرے اعمال تو کچھ اچھے نہیں تھے البتہ جو درخت میں نے بویا تھا کوئی مسافر وہاں آیا اور کھانا وغیرہ کھا کر تھوڑی دیر آرام کیا، اس کے بعد اس نے دعا کی اے اللہ! جس نے یہ درخت لگایا ہے اس کی مغفرت فرما، اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کی برکت سے میری مغفرت فرما دی۔

جنازہ دیکھتے ہی دل کے خیالات بدل گئے: ایک شاعر تھا، قلاش، فقر وفاقہ میں زندگی گذار رہا تھا ایک دن بڑا غمگین بیٹھا ہوا تھا اور خیالی پلاؤ بنا رہا تھا کہ میرا ہاتھ خالی ہے، جیب خالی ہے، جھونپڑا ہے، مالداروں کی کیسی اچھی حالت ہے ان کی کتنی عزت ہے، محلوں اور بنگلوں میں رہتے ہیں، مال ودولت، میری تو کوئی خیریت بھی نہیں پوچھتا، کاش میرے پاس بھی کچھ مال ودولت ہوتا، عالی شان بنگلہ بناتا، مہمان خانہ سجاتا اور مہمانوں کی ضیافت وخدمت کے لئے دو ملازمین ہوتے اور اس کے برعکس دوسرا مالدار تھا اور تھے یہ دونوں بڑے گہرے دوست شیخ سعدی نے یہ واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے ایک مالدار کا بیٹا تھا اور ایک غریب کا بیٹا تھا، دونوں کے والد کا انتقال ہو گیا ایک دن دونوں اپنے اپنے والد کے قبر پر قبرستان گئے تو غریب کے والد کی قبر کچی تھی اور مالدار کی قبر پکی سنگ مرمر کی تھی تو مالدار کے بیٹے نے کہا دیکھو میرے والد کی قبر کتنی چمکدار ہے، سنگ مرمر کی ہے اور تیرے باپ کی قبر سیدھی سادی مٹی کی ہے غریب بیچارے کو بہت برا لگا، خاموش سنتا رہا مگر پھر غریب نے بڑا اچھا جواب دیا "سنار کی سو لوہار کی ایک" یہ جواب بھی اسی کا مصداق ہے، اس نے جواب دیا کہ جب قیامت قائم ہوگی تو میرا باپ تو یوں مٹی ہٹا کر جلدی سے اللہ کی جنت میں پہنچ جائے گا تیرا باپ تو سنگ مرمر میں دبا ہوگا تو بھائی قبرستان جاؤ سب غریب ہیں، وہاں کس کی مالداری چلتی ہے؟ تو ہمارا قصہ اس غریب شاعر کا چل رہا تھا اس کے بعد کچھ شعر پیش کئے تھے، اب آگے کے شعر سماعت فرمائیں، عبرت دو تین قبریں دکھا کر کہنے لگی۔

مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے　　یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

یہ دنیا میں بڑے بڑے نامور تھے لیکن آج دیکھو بے نام ونشاں اور کس طرح میرسی حالت میں پڑے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اللہ پاک موت سے پہلے ہمارے دل کی آنکھ کھول دے اور موت سے پہلے پہلے موت کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے۔

آیئے - ہم وقت کی قیمت کا تجزیہ کریں

مولانا محمد سفیان قاسمی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے اقرب ترین اجل خلفاء میں ایک بہت مؤثر اور نمایاں ترین شخصیت حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جن کی ذات کو حق جل مجدہ نے اپنے خزانہ زبان و بیان سے بڑے مؤثر و دل نشین انداز میں زندگی کی حقیقت بیان کرنے کا سلیقہ عطا فرمایا تھا، قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے اپنے عہد کی بڑی مقبول شخصیات میں ان کا شمار ہوتا تھا، انہوں نے زندگی کی حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے ۔

تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا — جوانی نے پھر تجھ کو مجنون بنایا
بڑھاپے نے پھر آکے کیا کیا ستایا — اجل تیرا کر دے گی بالکل صفایا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے — یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

انسان کے وقت حیات کا اس سے زیادہ حقیقت پسندانہ تجزیہ اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے، کیوں کہ نہ وقت کے کنارے کسی کے ہاتھ میں ہیں اور نہ اس کے دھارے کسی کے بس میں، اس کی ابتدا انسان کی پیدائش کہلاتی ہے، جب کہ اس کی انتہا انسان کی موت کا عنوان ہے، گویا انسان کا نہ پیدا ہونا اس کے اختیار میں اور نہ مرنا اس کے بس میں، چناں چہ یہ دو طرفہ بے بسی و لاچاری اس حقیقت کی بین و روشن دلیل ہے کہ موت و حیات کا یہ درمیانی وقفہ بھی ایک لحاظ سے ہمارا نہیں ہے، اگر اس درمیانی وقت "حیات" پر انسان کو قدرت حاصل ہوتی تو خواہش و خدشات، مسائل و مصائب کا رخ ہر انسان اپنے احوال کے مطابق متعین و مقرر کیا کرتا، جب کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، یہ درمیانی وقت، حیات نو بھی بخش سکتا ہے اور زندگی کو موت سے بدتر بھی بنا سکتا ہے، موت و حیات کے شکنجوں میں جکڑی بندھی یہ حیات مستعار ہمیں مختلف مراحل سے گزارتی ہے، خواہ ہمیں احساس ہو کہ نہ ہو، ہم چاہیں یا نہ چاہیں، زندگی کے یہ ادوار گزرتے جائیں گے، ہمارا مستقبل حال میں تبدیل ہوتا رہے گا اور ہمارا حال ماضی بنتا چلا جائے گا، بچپن پلک جھپکتے بچپن کی سرحد کو عبور کر کے بڑھاپے کی منزل پر لا کھڑا کر دیتا ہے اور یہ برق رفتار سیل رواں عدم سے وجود میں آ کر معدوم ہو جاتا ہے اور ہمارے ذہنوں پر واقعات کا خوش گوار و گراں بار ہلکا اور گہرا نقش چھوڑ جاتا ہے اور زندگی انسان کو فراموش کر کے اس طرح لوٹ جاتی ہے کہ اب اس کا مقام و مرتبہ، اس کے اختیارات کے عناوین، اس کا تکبر، سماج و معاشرے میں اس کی ناگزیریت اور اس کی شخصیت کا مکمل تعارف محض دو فٹ کے کتبے میں محصور ہو کر رہ جاتے ہیں، یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن کریم اپنے بلیغ و معجزانہ انداز میں اسی طرح بیان کرتا ہے: "اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا ہر اس شخص کے لیے جو سبق لینا چاہے یا شکر گزار ہونا چاہیے۔". (سورۃ الفرقان:62)

لہٰذا درس عبرت یہ ہے کہ حرکت و سکون کا مزاج رکھنے والی اس دنیا میں اگر بیش قیمت کوئی چیز قرار دی جا سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف وقت ہی ہے، اسی کا صحیح یا غلط استعمال دنیا سے لے کر آخرت تک کی منزل کا تعین کر سکتا ہے اور انسان کی محنتیں و کاوشیں، نیز ان کے بلند و بالا یا پست و مذموم نتائج و ثمرات کا انحصار صرف وقت کے صحیح یا غلط استعمال پر ہی موقوف ہے، کیوں کہ وقت ایک متحرک شے ہے، محنت اور حرکت کا ایک فطری او رکائناتی تعلق ایک دوسرے سے جزو لاینفک کے طور پر باہم مربوط ہے اور اسی محنت پر دنیا کی ترقیات کا مدار ہے اور بشرط ایمان و اخلاص نیت کے ساتھ ہو، گویا کامل اخلاص نیت کے ساتھ لوجہ اللہ کی جانے والی حرکت او رمحنت میں ہی برکت و فیروز مندی کے جملہ راز ہائے سربستہ مستور ہیں اور یہی حرکت وقت کا صحیح اور مطلوب استعمال بھی ہے۔

وقت کی اہمیت اور اس کی گراں قدری کی اگر تحلیل کی جائے اور تعمق فکر و نظر کے ساتھ غور کیا جائے تو حاصل یہ نکلتا ہے کہ ماضی حال اور مستقبل، وقت کے اس تکون میں ہمارے پاس کیا ہے؟ کیوں کہ کل جو گزشتہ ہے وہ تو خواب ہو گیا، آج بے ہوشی و غفلت کی نذر ہو کر ماضی کے قبرستان میں دفن ہو گیا، اب رہا آنے والا کل، اس کی مثال تو ایک بھٹکے ہوئے مسافر کی سیاہ رات میں گمشدہ منزل سے مختلف نہیں ہے، پتہ نہیں ہاتھ آئے کہ نہ آئے اور اسی مرحلے پر نہ جانے کتنے لوگ دھوکے کا شکار ہو کر ڈوب گئے، جنہوں نے آج کی وسعت کو تنگ پایا اور سارا زور آنے والے کل پر ڈال کر محنتوں اور امیدوں کی کشتی کو آئندہ کل کے بحر ناپیدا کنار میں ڈال دیا۔ کسی کی قسمت نے یاوری کی تو کچھ ہاتھ لگ گیا، ورنہ نہ جانے کتنے اس خیال خام کے سہارے گم نامیوں کے اندھیروں میں ہمیشہ کے لیے دفن ہو گئے، کیوں کہ جو وقت گزر گیا وہ قیامت تک بھی لوٹ کر نہیں آئے گا، چناں چہ وقت نے جو کچھ ہمیں دے دیا وہی ہمارا سرمایہ ہے اور جو کچھ ہم سے لوٹ لیا وہ ملنے والا نہیں ہے، کیوں کہ یہ وہ دروازہ ہے جس سے ایک دفعہ گزر گئے تو اس سے واپس جانا ممکن نہیں ہے۔ اس تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اس صحرائے میں جو قافلہ گم ہو گیا وہ منزل سے رہ گیا ... سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ہمارے ہاتھ میں کیا ہے؟ ماضی گزر گیا، آئندہ کل ہماری دسترس سے باہر ہے۔ لہٰذا سوائے آج کے ہماری کوئی متاع نہیں، چناں چہ ہمیں جو کچھ بھی محنت کرنی ہے وہ اسی آج میں کرنی ہے، گزشتہ کل میں جو نقصان ہو گیا تھا اس کی توبہ و تلافی کا وقت ہمارے پاس یہی آج ہے اور یہ محنت کا بروقت اور صحیح استعمال ہے، جس کی بارگاہ اقدس جل مجدہ میں قدر دانی بھی ہے اور برکات ربانی کے ورود کی علت کا راز بھی اسی میں پوشیدہ و مضمر ہے، اصحاب علم و حکم کامیابی کا نسخۂ کیمیا یہ بیان کرتے ہیں کہ گزشتہ کل کی ناکامیوں و نامرادیوں کو آج کے عمل کی تحریک بنا دی جائے اور آج کے مل جانے کو بشکر و سجود عطیہ خداوندی سمجھا جائے، جب کہ آئندہ کل ایک فکر کا فریب ہے، اس کل کے بھنور میں نہ جانے کتنے ڈوبے اور ایسے ڈوبے کہ پھر ابھرنا نصیب نہ ہو سکا، وقت کا قافلہ رخت سفر باندھ کر برق رفتار تیزی کے ساتھ سرگرم سفر ہے، اس لیے آج کی جو مہلت وقت ہے، اسی کو اپنی قیمتی متاع سمجھ کر وقت کے قافلے کے ساتھ قدم بہ قدم چلتے رہو، نہیں تو یہ کاروان علم و عمل، یہ زندگی کا قافلہ غبار راہ کی طرح پیچھے چھوڑ جائے گا اور آفات و حوادث اور آلام و مصائب کی تیز و تند ہوائیں اور اس کی بلاخیزیاں حسرتوں اور نامرادیوں کی نہ جانے کن نامعلوم اور انجان وادیوں میں جا پہنچیں گی، جس میں راہ حیات کے آثار و نشانات بھی مٹ جائیں گے۔

وقت ماضی، حال اور مستقبل کے تین خانوں میں تقسیم ہے، چناں چہ اس اعتبار سے مہلت عمل کا نام ہی وقت ہے، جس میں ذاتی اعتبار سے اس میں نہ کوئی شر ہے، بلکہ اس کے خیر و شر کا تعین اس میں ادا کیے جانے والے اعمال سے تعبیر ہے، جس کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث پاک میں اس طرح بیان فرمایا ہے: "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم". (التفسیر المظہری:7/27) زمانوں میں سب سے خیر کا زمانہ میرا ہے، پھر اس سے متصل زمانہ، پھر اس سے متصل، گویا مجموعی اعتبار سے ان تینوں زمانوں پر خیر کا غلبہ ہے، اس کے بعد قیامت تک کبھی خیر غالب و فائق رہے گی تو کبھی شر کی حکم رانی کا غلبہ رہے گا۔

کسی سائل نے اہل فکر و نظر سے سوال کیا کہ متاع دنیا میں وہ کون سی شے ہے جو سب سے زیادہ طویل بھی ہے اور سب زیادہ مختصر بھی، سب سے زیادہ تیز رفتار بھی ہے اور سب سے زیادہ سست گام بھی، سب سے زیادہ کھینچی جانے والی شے بھی ہے اور سب زیادہ نظر انداز کی جانے والی بھی اور ضائع ہو جانے پر سب سے زیادہ افسوس کی جانے والی بھی اور ایسی چیز بھی جو معمولی سے معمولی چیزوں کو دوام بھی بخش سکتی ہے اور غیر معمولی چیزوں کو لمحوں کے ہزاروں حصے میں فنا کے گھاٹ اتار دینے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے؟ ارباب علم و دانش نے جواب دیا کہ ایسی متاع بے بدل کا نام ہی وقت ہے، اس لیے کہ وقت سے زیادہ طویل ترین کوئی چیز نہیں، کیوں کہ یہ ابدیت کا پیمانہ ہے اور وقت سے زیادہ مختصر اور کوئی شے نہیں، کیوں کہ یہ ہمارے منصوبوں، آرزوؤں، تمناؤں، اُمنگوں اور خواہشات کے لیے ہمیشہ مختصر اور ناکافی ثابت ہوتا ہے اور جو کسی امید و انتظار میں ہو اس کے لیے وقت سے زیادہ سست رفتار کوئی چیز نہیں اور جو خوشی و مسرت کے لمحات سے گزر رہا ہو اس کے لیے وقت سے زیادہ تیز گام اور کوئی شے نہیں ہے، طول میں اگر یہی وقت ابدیت تک پہنچ سکتا ہے تو اس کے برعکس اگر اختصار کی بات کی جائے تو یہی وقت ایک سیکنڈ کے ہزاروں حصے میں تو کیا، بلکہ کروڑوں اور اربوں حصہ میں تقسیم کیے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس دنیا میں انسانوں کی اکثریت وہ ہے جو اس کو بے دریغ نظر انداز کرتی ہے اور سب ہی اس کے ضائع ہو جانے پر کف افسوس ملتے ہیں، وقت ہی ہے جو معمولی یا غیر معمولی کسی بھی واقعہ کو اگلی نسل تک منتقل ہونے سے پہلے ہی طاق نسیاں کے حوالے کر دیتا ہے اور ہر ایسے عمل کو لافانی و لازوال بنا دیتا ہے، جو واقعی عظیم ہو۔

اصحاب علم و آگہی نے وقت کی ماہیت و حقیقت کو اپنے اپنے فکر و نظر کے مطابق تولا اور جانچا ہے، مولانا ابوالکلام آزادؒ اپنی مشہور زمانہ مکتوباتی تصنیف "غبار خاطر" کے مکتوب نمبر 23 میں رقم طراز ہیں کہ: عرب کے مشہور فلسفی شاعر ابو العلاء معری نے زمانے کا پورا پھیلاؤ تین دنوں کے اندر سمیٹ دیا ہے، جس کی عکاسی درج ذیل اشعار میں کی ہے ۔

ثلاثة ايام هي الدهر كله — وماهن الا الامس واليوم والغد
وما القمر الا واحد غير انه — يغيب ويأتي بالضياء المجدد

(یہ سارے کا سارا زمانہ تین ہی دن تو ہے، جو گزشتہ کل، آج کا دن اور آئندہ کل ہی تو ہیں اور چاند اگر چہ ایک ہی ہے، مگر وہ غائب ہونے کے بعد اگلے دن نئی روشنی کے ساتھ طلوع ہوتا ہے۔)

لیکن تین زمانوں کی تقسیم میں یہ نقص تھا کہ جسے ہم حال کہتے ہیں وہ فی الحقیقت اپنا وجود کہاں رکھتا ہے؟ یہاں وقت کا جو احساس ہمیں میسر ہے وہ یا تو ماضی کی نوعیت کا ہے یا مستقبل کی اور ان ہی زمانوں کا ایک اضافی تسلسل ہے جسے ہم حال کے نام سے پکارنے لگتے ہیں، یہ سچ ہے کہ ماضی اور مستقبل کے علاوہ وقت کی ایک تیسری نوعیت بھی ہمارے سامنے آتی رہتی ہے، لیکن وہ اس تیزی کے ساتھ آتی اور نکل جاتی ہے کہ ہم اسے پکڑ بھی نہیں سکتے، ہم اس کا پیچھا کرتے ہیں، لیکن ادھر ہم نے پیچھا کرنے کا خیال کیا اور ادھر اس نے اپنی نوعیت بدل ڈالی، اب وہ ہمارے سامنے ماضی ہے جو جا چکا ہے یا مستقبل ہے، جو ابھی آیا ہی نہیں ہے، لیکن خود حال کا کوئی نام و نشان دکھائی نہیں دیتا ہے، جس وقت ہم نے پیچھا کرنا چاہا وہ حال تھا اور جو ہماری پکڑ میں آیا وہ ماضی ہے۔ گویا حقیقت حال کو بصیرت کے ساتھ قریب ہو کر دیکھیں تو واقعہ یہ ہے انسانی زندگی کی پوری مدت ایک صبح اور ایک شام سے زیادہ نہیں ہے، صبح آنکھیں کھلیں، دن امید و بیم میں گزرا، رات آئی تو پھر آنکھیں بند ہو گئی: "وہ (دنیا میں یا قبر میں) ایک شام یا ایک صبح سے زیادہ نہیں رہے۔ (سورۃ النازعات:46) یہی وقت کی حقیقت اور ماہیت ہے۔ از روئے کلام اللہ و احادیث رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بروز محشر ایک ایک چیز کی حساب دہی دین اسلام کے مسلمات کا ایک لازمی حصہ ہے، ایک ایک چیز کا حساب ہوگا، ایک ایک بات کے بارے میں باز پرس ہوگی، اعمال، افعال، اقوال، حرکات و سکنات غرض کہ حیات دنیوی کا کوئی گوشہ و جزئیہ بھی اس دائرہ حقیقت سے باہر نہیں ہوگا، کراماً کاتبین انسان کی ایک ایک حرکات و سکنات، جنبش اعمال اور گردش رفتار میں ظہور پذیر ہونے والی کارروائیوں کو محفوظ کرنے پر مامور ہیں۔ امتحان و آزمائش کی اس دنیا میں غفلتوں کے اسباب جا بجا بکھرے ہوئے ہیں، عقل و نگاہ کو خیرہ کر دینے والے مناظر قدم پر قدم روکتے ہیں، نفس کی خواہشات جگہ جگہ پر جی لگانے اور لبھانے کو تیار ہیں، اس کارگہ عالم کے جلووں کی چمک دمک دامن دل کو کھینچتی ہے، حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس پُر خار وادی کے باقسمت مسافر پر اگر رحمت حق جل مجدہ سایہ فگن نہ ہو تو ہدایت کے بغیر مجرد عقل کی راہ نمائی میں منزل کا پتہ پا لینا ممکن ہی نہیں ہے، چناں چہ ایسے میں اس مقصد حیات: "اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔" (سورۃ الذاریات:56) اور اس کے ہمہ جہت مقتضیات و مطالبات کو ہر دم و لحظہ اور قدم بہ قدم فکر و خیال میں تازگی پہنچاتے رہنا ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ گردش لیل و نہار کا کوئی لمحہ و لحظہ ایسا نہیں جو یا تو کام کو سنوارنے والا ہو یا کام بگاڑنے والا ہو، کسی بھی لمحے میں جو بھی اہم یا غیر اہم معمولی یا غیر معمولی کام کیا جائے گا، خواہ وہ خیر کا ہو یا شر کا ہو، وہی وقت کا استعمال ہے اور بروز محشر اسی کا نتیجہ سامنے آئے گا۔ لہٰذا اخلاص نیت کے ساتھ فکر و خیال کی اصلاح کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ نہایت جامع دعا تیر بہ ہدف ہے۔ "اے مالک دو جہاں! ہم آپ سے اس مہلت حیات کی گھڑیوں میں بہتری اور عمر عزیز میں خیر و برکات کا سوال کرتے ہیں۔" وما توفیقی الا باللہ

Scanned with CamScanner

تحریک آزادی میں ہمارے بزرگوں کی قربانیاں

مولانا غیاث الدین دھام پوری

آزادی وطن کی تحریک 1857 سے بہت پہلے سے چل رہی تھی تاہم 1857ء میں میرٹھ سے جو جنگ کا آغاز ہوا تھا ہندوستان کی تاریخ میں اس کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے ملک کے مختلف حصوں میں بغاوت کے شرارے ایک ساتھ بھڑک اٹھے اور انگریزوں کے خلاف لڑائی بڑے منظم طریقہ سے لڑی گئی جس نے فرنگیوں کے ہندوستان سے نہ بھاگنے کے عزائم کو متزلزل اور پائے استقامت کو ڈگمگا دیا تھا اس ہنگامہ خیز سال کو انگریزوں نے غدر کے نام سے موسوم کیا اور وہی عام طور سے مشہور بھی ہوگیا جبکہ مسلمان اس کو آزادی کی پہلی جنگ کہتے ہیں۔ 1857ء میں شاملی کے میدان میں انگریزی اقتدار کے خلاف جہاد، حضرت حافظ ضامن کی شہادت اور دیگر علماء کی قربانیاں اسلامیان ہند کی تاریخ کا ایک اہم باب اور زندہ حقیقت ہے برطانوی استعمار کے خلاف تھانہ بھون کو مرکز بنا کر ایک عظیم جدو جہد شروع ہوئی تو حضرت حاجی امداد اللہ فاروقی تھانوی کی قیادت میں تربیت یافتہ علماء نے شاملی کے میدان میں انگریزوں سے دو بدوں مقابلہ اور مسلح جدو جہد کی مغلیہ دور حکومت 1498ء میں یوروپ کے ملاحوں نے پہلی مرتبہ واسکوڈی گاما کی قیادت میں ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا اور ساحلی مقام کالی کٹ (کیرلا) جس کا نیا نام کوزی کوڈ ہے) میں اپنی تجارتی سرگرمیوں کا آغاز کیا دیکھا دیکھی یوروپ کے دیگر ممالک بھی ہندوستان کی طرف متوجہ ہوگئے بنگال کو انہوں نے اصل مرکز بنایا عرصہ سو سال میں اکثر و بیشتر تجارتی معاملات میں ان کی مٹھی میں آگئے اور پھر انتظامی امور میں بھی عمل دخل شروع کر دیا انگریز نے اتنی چالاکی عیاری اور کمال ہوشیاری سے ملک میں اپنے قدم مضبوط کئے کہ ملک کے اکثر ارباب اقتدار اس کا ادراک نہ کر سکے چنانچہ 1772ء میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اس فتوی کے مثبت اثرات مرتب ہوئے لہذا ملک کے مختلف مقامات سے اسلامی ہند کی آزادی کی تحریکیں انھیں ہندوستان کی جدو جہد آزادی کا آغاز شاہ صاحب کے اس فتوے سے ہوا تھا 1824ء میں شاہ صاحب کا 80 سال کی عمر میں انتقال ہوگیا بنگال کے سراج الدولہ اور شیر میسور ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد فرنگیوں کے حوصلے کافی بلند ہوگئے تھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے بتدریج پورے ملک پر قبضہ کرلیا اکابر امت نے اپنی فراست ایمانی اور نور بصیرت سے مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کے خفیہ منصوبوں کو بھانپ لیا کہ فرنگیوں کے ارادے خطرناک ہیں تو ہندوستانیوں نے ابتداء ہی سے انگریزی حکومت کی مخالفت شروع کر دی تھی البتہ 1857ء تک آتے آتے ایک عمومی بغاوت کے لئے حالات سازگار ہوگئے تھے کیونکہ خنزیر کی چربی لگے ہوئے کارتوس کا حادثہ چنگاری بن گیا نئی رائفلوں کے کارتوسوں پر چربی لگا کاغذ مڑھا ہوتا جس کو استعمال کرنے سے پہلے دانت سے کاٹنا پڑتا تھا لہذا مذہبی جذبات کی توہین نے سپاہیوں کو بغاوت پر آمادہ کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ بغاوت ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی قائدانہ شخصیت اور روحانی فیض: حضرت حاجی صاحبؒ، سردار شہیداں حضرت حافظ ضامن شہیدؒ، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، استاذ العلماء حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ، مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا محمد منیر احمد نانوتویؒ اور ان کے رفقاء مذکورہ صورت حال سے بیحد متفکر اور دفاعی تدابیر کے لئے کوشاں تھے حتی کہ جب اللہ کے لئے جان وتن کی بازی لگانے کا وقت آیا تو خانقاہ کے بوریہ نشین مجاہدین سربکف میدان میں اتر پڑے اولاً شاملی کی تحصیل کو تاراج کیا اور پھر حاجی صاحب کی قیادت میں نہایت بہادری کے ساتھ جم کر مردانہ وار مقابلہ ہوا اور خوب داد شجاعت حاصل کی اسی جہاد شاملی میں حافظ ضامن شہید سر کا نذرانہ لئے سب سے آگے آگے تھے حتی کہ اسی جہاد میں جام شہادت نوش فرمایا۔ امیر المجاہدین ہونے کی وجہ سے حاجی صاحب پر نئی حکومت کی خاص نظر تھی اس کا یہ گمان تھا کہ حاجی صاحب کی قائدانہ شخصیت کسی بھی وقت ان کے لئے خطرہ ثابت ہوسکتی ہے لہذا پیچیدہ حالات کے پیش نظر حاجی صاحب کے لئے ہجرت ناگزیر ہوگئی تھی یہ وقت مسلمانوں کے لئے نہایت پرخطر تھا انگریزوں کو جس کے متعلق یہ خبر ملتی کہ وہ آزادی کی لڑائی میں شریک تھا تو اس کو سولی پر چڑھا دیا جاتا تھا۔

حاجی امداد اللہؒ کا سلسلہ رشد و ہدایت کی آفاقی حیثیت: حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اپنے روحانی مقام و مرتبہ میں اپنے اکثر معاصرین سے فائق تھے کمالات باطنی و اتباع سنت کی وجہ سے آپ کو وہ مقام حاصل تھا کہ گنجلک اور انتہائی پیچیدہ مسائل کو چٹکیوں میں حل فرمادیا کرتے تھے۔ اگر چہ حاجی صاحبؒ باقاعدہ اصطلاحی عالم نہ تھے لیکن عشق و محبت الٰہی نے آپ کا سینہ کھول دیا تھا یہی وجہ تھی کہ اس زمانہ کے بہترین علماء تزکیہ باطن، تہذیب اخلاق، اور اصلاح نفس کے لئے آپ کے اردگرد جمع ہوگئے تھے اور ان کی مخلصانہ جدو جہد کے نتیجے میں علماء ربانی اور مخلص بزرگان دین کی ایک پوری جماعت تیار ہوئی تھانہ بھون اس وقت علم و فضل و فضل کا گہوارہ تھا بڑے بڑے یکتائے روزگار یہاں موجود تھے برصغیر کے مرشد کامل حاجی امداد اللہ فاروقی تھانوی خاص طور سے مرجع الخلائق تھے نیز ان کا وطن بھی تھانہ بھون ہی تھا اس لئے انگریزوں کے خلاف جہاد اور ملک کی آزادی میں تھانہ بھون کو ایک مرکزیت حاصل تھی۔

علم جہاد کی تجویز اور مشاورتی اجتماع: برطانوی استعمار کے خلاف اور انگریزوں کے اسلام دشمن رویہ کی صورت حال پر غور وخوض کرنے کے لئے تھانہ بھون میں حاجی امداد اللہ کی صدارت میں ایک مشاورتی میٹنگ کا انعقاد ہوا جس میں بڑی بحث و تمہید کے بعد بکثرت آراء علم جہاد بلند کرنے کی تجویز پاس ہوئی اولا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، اور حافظ ضامن شہیدؒ نے بیعت جہاد کی پھر مجاہدین کی پوری جماعت نے عہد جہاد کیا نتیجتاً تھانہ بھون کو مرکز جہاد مقرر کر دیا گیا۔ تھانہ بھون اور اس کے نواح میں حاجی صاحب کی قیادت میں متوازی حکومت قائم ہوگئی۔

انگریزی تسلط کے خاتمہ کے لئے جدو جہد کا آغاز: شاملی ضلع مظفر نگر اس وقت انگریزی فوج کا ہیڈ کوارٹر تھا نیز وہاں کمپنی کا خزانہ اور توپ خانہ بھی تھا اعلان جہاد کے بعد انگریزوں پر ہیبت چھا گئی لہذا انگریز نے تھانہ بھون کے حالات سے خائف ہو کر اپنے فوجی ٹھکانوں کی حفاظت کی غرض سے فوج اور گولہ بارود کی ترسیل شروع کر دی اور ایک فوجی ٹکڑی شاملی کے لئے روانہ کی گئی۔ جہاد شاملی میں سرفروشاں حریت اور حافظ ضامنؒ کی شہادت آزادی کے شیدائی مجاہدین اسلام نے علماء کی قیادت میں شاملی میں قائم فوجی چھاؤنی کو ختم کرنے کی غرض سے چھاؤنی پر شدید حملہ کیا ان حضرات میں حافظ ضامن صاحب تھانویؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا منیر احمد نانوتویؒ نے میدان شاملی میں بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا مجاہدوں کے پے در پے حملوں کا انگریزی فوج مقابلہ نہ کر سکی اور پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گئی تحصیل شاملی کی عمارت جو ایک قلعہ کی شکل کی تھی اب انگریزوں کے لئے جنگی قلعہ کا کام دے رہی تھی انگریزوں نے قلعہ کا نہایت مضبوط صدر دروازہ بند کر دیا اور دیواروں میں سوراخ کر کے یا دیواروں کی آڑ لیکر مجاہدین پر گولیاں چلائی جارہی تھیں کھلے میدان کی وجہ سے مجاہدین کا دو روز کی لڑائی میں کافی جانی نقصان ہوا تیسرے دن حافظ ضامن صاحب نے کسی طرح صدر دروازہ توڑ دیا پھر تو مجاہدین نے جوش جہاد میں سینکڑوں انگریزوں کو تہہ تیغ کر ڈالا انگریزی فوج زیادہ بھی تھی اور مسلح بھی اس نے نہایت بے دردی سے مجاہدین پر گولیاں چلانی شروع کر دی اس میں ایک گولی حافظ محمد ضامن کی ناف کے نیچے لگی یہ 24 محرم الحرام 1274ھ پیر کا دن ظہر کا وقت تھا اس وقت مولانا محمد قاسم صاحب بھی سر پکڑ کر بیٹھ گئے سمجھا گیا کہ شاید کنپٹی پر گولی لگ کر دماغ کے پار نکل گئی ہے حاجی صاحب نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ کیا ہوا میاں عمامہ اتار کر سر جو دیکھا تو کہیں گولی کا نشان تک نہ تھا حالانکہ تعجب کی بات یہ تھی کہ خون سے سارے کپڑے تر تھے جنگ جاری تھی حافظ ضامن صاحب نے حضرت گنگوہی کو پاس بلا کر فرمایا کہ میاں رشید جب میرا دم نکلے اس وقت آپ میرے پاس ضرور ہونا تھوڑی ہی دیر میں حافظ ضامن زمین پر گر پڑے گولی کاری لگی تھی خون کا فوارہ بہنا شروع ہوگیا حضرت گنگوہی نے لپک کر حافظ ضامن کو کاندھے پر اٹھالیا اور قریب کی مسجد میں لے آئے اور ان کا سر اپنے زانو پر رکھ کر مشغول تلاوت ہوگئے حتی کہ حضرت گنگوہی کے زانو پر آپ کا انتقال ہوگیا حضرت گنگوہی آپ کی نعش اٹھا کر دشمن کی نظر سے بچتے ہوئے 18 کلومیٹر پیدل جنگل کے راستہ سے شاملی سے تھانہ بھون آئے اور راتوں رات تدفین کی اس جنگ میں انگریزوں کا بہت بڑا جانی و مالی نقصان ہوا دوسری طرف حافظ ضامن کی شہادت سے مسلمانوں کی کمر ٹوٹ گئی تھی جس کی وجہ دشمن فوج کو حوصلہ ملا بالآخر مسلمانوں کی پسپائی ہوئی اور تھانہ بھون واپس چلے گئے میدان شاملی میں بنا بنایا کھیل بگڑ جانے اور بہت سے مجاہدین خصوصاً حافظ ضامنؒ شہید کی شہادت کے حادثہ جاں گاہ سے ملت کے قلوب میں اضطراب و بے چینی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی ان کی جدائی سے احباب مریدین و معتقدین گہرے صدمے میں مبتلا تھے۔

تھانہ بھون پر دوسرا حملہ: تحصیل شاملی کی شاملی کی تاراجی کے بعد انگریز حکام مشتعل ہو گئے اور از سر نو حملہ کر کے انگریزی فوج چند ہی دنوں میں تھانہ بھون کی فصیل تک پہونچ گئی اور تھانہ بھون کا محاصرہ کر کے پوری رات گولہ باری کی وسائل کی قلت کے باوجود مجاہدین کی طرف سے پھر مقابلہ کی ہمت کی گئی صبح ہوتے ہی مجاہدین نے قصبہ سے نکل کر محاصرین پر حملہ کر دیا سات گھنٹے کی دست بدست جنگ کے بعد انگریزی فوج شکست کھا گئی۔

کیرانہ میں انگریزوں کے خلاف محاذ قائم: جس وقت حاجی امداد اللہؒ تھانہ بھون میں مجاہدین کی قیادت فرمارہے تھے اور ان کے متبعین نے شاملی کا میدان کارزار گرم کیا ہوا تھا اسی وقت علمی سطح پر پادریوں کا تعاقب کرنے والے مشہور مناظر مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے بھی اپنے خاص رفقاء کے ساتھ مل کر کیرانہ میں انگریزوں کے خلاف محاذ قائم کر لیا تھا مجاہدین نے کیرانہ کے نواح سے انگریزی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا اب جو بھی اعلان ہوتا اس میں یہ اعلان ہوتا کہ ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہؒ کا مگر افسوس اپنوں کی بے وفائی اور مخبرین کی جاسوسی کی وجہ سے انگریزی فوج مسلح ہو کر کیرانہ میں داخل ہوگئی اور مولانا کی تلاش شروع کر دی مولانا موصوف کسی طرح بچ کر سورت کے راستے مکہ معظمہ پہونچ گئے پھر اپنی وفات 1308ھ تک ہندوستان کا رخ نہیں کیا مکہ معظمہ میں آپ کا قائم کردہ مدرسہ صولتیہ دنیا میں مشہور ہے۔

خانقاہ تھانہ بھون کا روحانی منظر: سردار شہیداں حضرت حافظ ضامن شہید تھانویؒ کے مرید باصفا حکیم مولانا ضیاء الدین رامپوریؒ حافظ ضامن شہیدؒ کے حالات پر مشتمل ایک قلمی نسخہ "مونس مہجوراں" جو کہ حکیم صاحب کا تحریر کردہ اور مستند دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں حافظ ضامن سے بیعت ہونے کے بعد وادی سلوک میں ابھی گامزن ہی تھا کہ 1857ء کا ہنگامہ برپا ہوگیا یہ خبر تھی کہ پردہ غیب سے کچھ اور ظاہر ہوا چاہتا ہے اس توقع اور کشاکش میں تھا کہ ناگاہ گردش ایام اور شامت افعال اس شکستہ حال سے یہ صورت پیش آئی کہ دفعتاً جہاں میں ایک شعور پیدا ہوا، ہنگامہ قتل و غارت کا چاروں طرف سے ایسا گرم ہوا کہ شاید بھی نہ ہوا ہوگا دیندار اور غیرت مند حمیت اسلامی سے اکثر شہید ہو کر سوئے دار البقاء رحلت فرما ہوئے حافظ صاحب نے تمنائے شہادت و جام کوثر میں ہماری بیکسی کا بھی کچھ خیال نہ فرمایا ہمت مرداں مدد خدا کا تماشہ دکھلا کر مردانہ اور مشتاقانہ بر سر معرکہ جام شہادت نوش فرمایا ہندوستان کی گویا دنیا ہی پلٹ گئی اس دور ہنگامے میں جلال کبریائی کا جوش و خروش تھا حکیم صاحب خانقاہ تھانہ بھون کی اس طرح روحانی منظر کشی کر کے دور ماضی کی یاد تازہ فرماتے ہیں کہ جب بھی وہ چمنستان اسرار الٰہی آباد تھا عجب رنگ و روپ رہتا عجب رنگ و رو رہا تھا کہیں درس علم کہیں تعلیم عمل اور بھی نہیں اور وعظ و پند بھی زبان بند۔ مشغول یا خداوند، کہیں حلقہ توجہ کا، کہیں جلوہ ذکر جہر کا کسی کو حالت گریہ، کوئی مست و بے ہوش، کوئی محو مستغرق، دل دنیا سے فارغ اللہ کا طالب، گویا ایک چمن رحمت حق تھا کہ ناگاہ برباد ہوا غرض اس طور طریق خیر و برکت کا یہ مجمع قصبہ تھانہ بھون میں جمع ہوا تھا کچھ بیان نہیں کیا جاتا اس آخری وقت میں یہ حضرات نمونہ متقدمین کے پیدا ہوئے تھے عجب زمانہ تھا عجیب کیفیات وہاں رہتی تھیں نہ آنکھوں نے دیکھی، نہ کانوں نے سنی وا حسرتا کیا ہوا اور کدھر گیا وہ مجمع خیر، اور جماعت محبت آمیز، اور وہ صحبت عشق انگیز، اور وہ مکان دل آویز یعنی مسکن حضرت اقدس کہ اب ویران ہے ہر چند غور کیا مگر بہر حال اس مجموعہ کو رنج و راحت دنیا سے بے فکر پایا بغیر یاد خدا کسی شئی کا فکر و اہتمام کرتے نہ دیکھا۔

علماء کی جدو جہد کا ثمرہ الحمدللہ آج برصغیر میں دین اپنی شکل میں صحیح خدو خال کے ساتھ موجود و محفوظ ہے، یہ اللہ کا فضل اور ان بوریہ نشیں علماء کرام کی محنت اور جدو جہد کا ثمرہ ہے کہ فراعین وقت کے پرخچے اڑ گئے اور 1947ء میں انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنا پڑا انہوں نے اپنے اخلاص وللّٰہیت اور رجوع الی اللہ کی بدولت فرنگیوں کے منصوبوں کو ایسا خاک میں ملایا اور وہ حکمت عملی اختیار کی کہ ہندوستان اندلس تو کیا بنتا اس کے برعکس دین کے معاملہ میں دنیا کیلئے مثالی نمونہ اور تعلیم و تبلیغ کا مرکز قرار پایا۔ اس ملک کو انگریزوں کے جبر و تسلط سے آزاد کرانے میں ہمارے بزرگوں نے بڑی قربانیاں دیں، مگر ستم ظریفی کہئے کہ موجودہ مرکزی حکومت کے وزارت تعلیم مسلم مجاہدین آزادی کے سرفروشانہ کارناموں کے واقعات کو نصابی کتابوں سے خارج کر رہی ہے۔ مگر ہم اپنی نئی نسل کو اس سے واقف کراتے رہیں۔

Scanned with CamScanner

اخبار جہاں

محمد اسعد اللہ قاسمی

برطانیہ: پرتشدد بدامنی کے بعد نسل پرستی کے خلاف زبردست مظاہرے

برطانیہ میں حالیہ دنوں میں فسادات پھیلانے والے انتہائی دائیں بازو کے گروپوں کے خلاف ہزاروں کی تعداد میں نسل پرستی مخالف مظاہرین نے لندن اور دیگر شہروں کی سڑکوں پر ریلیاں نکالی ہیں، میٹرو پولیٹن پولیس نے بتایا کہ برطانوی دارالحکومت لندن میں ہزاروں پولیس افسران کو تعینات کیا گیا ہے، مزید برآں، لندن میں حسب ضرورت 1,300 کے قریب خصوصی سکیورٹی اہلکار اسٹینڈ بائی پر رکھے گئے ہیں، نسل پرستی مخالف مظاہرین نے بدھ کی شام تک تارکین وطن، پناہ گزینوں اور پناہ کے متلاشیوں کا خیر مقدم کرنے والے پیغامات سے سڑکیں بھر دیں، برمنگھم، شیفیلڈ، لیورپول اور برسٹل سمیت دیگر شہروں میں بھی بڑے اور پرامن احتجاج ہوئے۔(ایجنسی)

ترکی اپنا میزائل شکن دفاعی نظام 'سٹیل ڈوم' تیار کرے گا

ترک دارالحکومت انقرہ سے ملنے والی رپورٹوں کے مطابق ترکی میں دفاعی صنعت کے نگراں قومی ادارے کے سربراہ نے اپنے ایک ویڈیو پیغام میں اعلان کیا کہ ترکی اپنا ایک اینٹی میزائل ڈیفنس سسٹم تیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، ترکی میں ملکی دفاعی صنعت کے نگران ادارے کا نام ایس ایس بی (SSB) ہے، جس کے صدر ہالوک گورگن نے اپنے ویڈیو پیغام میں کہا، "ہمارے سٹیل ڈوم نامی قومی منصوبے کے ذریعے ہمارے فضائی دفاعی نظام، ان کے سینسرز اور ہمارے ہتھیار سب کچھ ایک نیٹ ورک کی صورت میں مربوط ہو جائے گا۔"، ہالوک گورگن نے کہا کہ اس منصوبے کی قیادت ریاستی انتظام میں کام کرنے والی دفاعی شعبے کی کمپنیاں، جیسے آسیلسان (Aselsan)، روکتسان (Roketsan) اور ایم کے ای (MKE) کریں گی، جنہیں پبلک ریسرچ گروپ Tubitak Sage جیسے اداروں کا مکمل تعاون بھی حاصل ہو گا۔(ڈی ڈبلیو)

حماس اور اسرائیل سے سیز فائر مذاکرات کی بحالی کا مطالبہ

امریکہ، قطر اور مصر کے رہنماؤں نے اسرائیل اور حماس پر زور دیا ہے کہ وہ ممکنہ جنگ بندی اور یرغمالیوں کی رہائی کے معاہدے کے حوالے سے اختلافات پر بات کرنے کے لیے اگلے ہفتے دوحہ یا قاہرہ میں مذاکرات دوبارہ شروع کریں، ان تینوں ممالک نے ایک مشترکہ بیان میں متحارب فریقوں کو 15 اگست تک دوبارہ مذاکرات شروع کرنے کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ تینوں ممالک نے ایک "فریم ورک معاہدہ" تیار کیا تھا جس میں "صرف عمل درآمد کی تفصیلات ہی باقی رہ گئی تھیں۔"، امریکی صدر جو بائیڈن، مصری صدر عبدالفتاح السیسی اور قطر کے امیر شیخ تمیم بن احمد الثانی کے دستخط کردہ بیان میں کہا گیا ہے کہ "کسی بھی فریق کے پاس مزید تاخیر کا نہ تو وقت ہے اور نہ ہی وقت ضائع کرنے اور عذر کرنے کا کوئی موقع ہے۔"، بیان میں مزید کہا گیا کہ "وقت آن پہنچا ہے کہ جنگ بندی پر معاہدہ کیا جائے اور یرغمالیوں اور قیدیوں کو رہا کیا جائے۔"(ڈی ڈبلیو)

تعلیم و روزگار

کانسٹیبل کی 51 اسامیوں کے لیے درخواستیں مطلوب

انڈو تبت بارڈر پولیس فورس (ITBP) نے کانسٹیبل (ٹیلر اور موچی) کے 51 عہدوں کے لئے درخواست طلب کی ہے، آن لائن درخواست دینے کی آخری تاریخ: 18 اگست 2024 ہے، درخواست کی فیس 100 روپے ہے، ST/SC زمرہ، جسمانی طور پر معذور، سابق فوجیوں کے لیے کوئی فیس نہیں ہے، فیس آن لائن ادا کرنی ہوگی، ویب سائٹ: recruitment.itbpolice.nic.in۔

155 یگزیکٹو عہدوں کے لیے درخواست دیں

ٹہری ہائیڈرو ڈیولپمنٹ کارپوریشن انڈیا لمیٹڈ نے 55 عہدوں کے لئے درخواست طلب کیا ہے، اہلیت رکھنے والے اس عہدے کے لئے درخواست دیں، آن لائن درخواست دینے کی آخری تاریخ 16 اگست 2024 ہے، درخواست کی فیس: 600 روپے ہے، ST/SC زمرہ، جسمانی طور پر معذور، سابق فوجیوں کے لیے کوئی فیس نہیں ہے، ادائیگی آن لائن موڈ کے ذریعے کرنی ہوگی، مزید معلومات کے لئے آفیشیل ویب سائٹ: www.thdc.co.in پر وزٹ کریں۔

مدارس میں 3381 سائنس اساتذہ کی تقرری کے لیے درخواست 17 اگست سے

بہار اسٹیٹ مدرسہ بورڈ نے 1127 مدارس میں 3381 سائنس اساتذہ کی تقرری کا شیڈول جاری کیا ہے، اس کے لیے 17 سے 31 اگست تک آن لائن درخواستیں دی جاسکتی ہیں، ہر مدرسہ میں سائنس کے تین اساتذہ کا تقرر کیا جائے گا، بہار مدرسہ بورڈ کی سرکاری ویب سائٹ www.bsmeb.org پر آن لائن درخواست کرنا پڑے گا، آن لائن رجسٹریشن فیس 100 روپے رکھی گئی ہے، اس بارے میں مدارس کو آگاہ کر دیا گیا ہے، تمام مدارس کو تقرریوں کے حوالے سے معلومات عام کرنی ہوگی، مدرسہ بورڈ کے مطابق سائنس اساتذہ کی تقرری کے لیے کم از کم تعلیمی قابلیت BSAC/BSCIT/BCA/ B.Tech رکھی گئی ہے، امیدوار کو درخواست کے ساتھ اصل سرٹیفکیٹ جمع کرانا ضروری ہے۔

اپرینٹس کے 2424 عہدوں کے لئے نوٹیفکیشن

ریلوے ریکوائرمنٹ سیل (RRC)، سنٹرل ریلوے نے ہینڈ مین کے 2424 عہدوں کے لئے درخواست طلب کیا ہے، اہلیت رکھنے والے امیدوار اس کے لئے درخواست دے سکتے ہیں، آن لائن درخواست دینے کی آخری تاریخ: 15 اگست 2024 ہے، درخواست کی فیس: 100 روپے ہے ST/SC زمرہ، خواتین اور معذوروں کے لیے کوئی فیس نہیں ہے، فیس کی ادائیگی گیٹ وے کے ذریعے آن لائن کرنی ہوگی، مزید معلومات کے لئے آفیشیل ویب سائٹ: rrccr.com /Home/Home پر جائیں۔

بقیہ صفحہ اول

انہوں نے اس سلسلے میں گاندھی جی سے ملاقات کی، اور ملک کی آزادی میں روس اور افغانستان کے تعاون سے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی تجویز رکھی، گاندھی جی نے اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا، ان کی سوچ تھی کہ دوسروں کے بل پر اگر ہم آزادی حاصل کریں گے تو برطانیہ سے نکل کر دوسرے معاون ملکوں کے رحم وکرم پر ہو جائیں گے، انہوں نے واضح لفظوں میں قاضی احمد حسین صاحب کو کہا کہ ''ہندوستان میں خود اتنی طاقت ہونی چاہئے کہ وہ بلا بیرونی مدد کے آزاد ہو اور تب وہ اپنی آزادی کی حفاظت کر سکے گا''۔

گاندھی جی سے ان کی یہ ملاقات چھپی نہیں رہ سکی، انگریز حکومت کے جاسوس ان کے پیچھے لگ گئے اور ان کی گرفتاری کا فیصلہ ہوا، چنانچہ ۱۹۲۱ء میں خلافت کانفرنس گیا کے دفتر سے قاضی صاحب کی گرفتاری عمل میں آئی، شاہ محمد عثمانؒ لکھتے ہیں: ''قاضی صاحب کو دفعہ ۱۲۴الف بغاوت کے الزام میں چھ ماہ کی سزائے قید با مشقت دی گئی تھی، وہ جب گرفتار ہوئے تو شہر میں دکانین احتجاج کے طور پر بند ہو گئیں، اسکول بند کر دئے گئے، سرکاری دفاتر میں بھی بہت سے لوگ نہیں گئے، وہ رہا ہوئے تو اسٹیشن پر ان کے استقبال کو آدمیوں کا ہجوم جمع تھا، پلیٹ فارم اور اسٹیشن کا کمپاؤنڈ اور اس سے باہر سڑکوں پر لوگ جمع تھے اور نعرے لگا رہے تھے (حسن حیات ۶۱؍۶۰)

ان کے علاوہ بہت سارے امارت شرعیہ کے نامور لوگوں نے بھی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر کام کیا، مثال کے طور پر مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی، شیخ عدالت حسین، حافظ محمد ثانی وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی شمسی لکھتے ہیں: ''جنگ آزادی میں امارت شرعیہ نے اہم رول ادا کیا، اس سے منسلک، دانشوران اور عوام نے تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا، ان میں سے مولانا محمد سجاد، مولانا سید شاہ محی الدین امیر شریعت مولانا شاہ محمد قمر الدین، مولانا سید منت اللہ رحمانی، قاضی احمد حسین، مولانا عبدالوہاب، مولانا حافظ محمد عثمان، مولانا عثمان غنی، شیخ عدالت حسین، سعید الحق وکیل، ڈاکٹر سید عبدالحفیظ فردوسی، مسٹر محمد یونس بیرسٹر، مولانا عبدالصمد رحمانی، مسٹر محمد محمود بیرسٹر، مسٹر خلیل احمد ایڈوکیٹ کے علاوہ سیکڑوں علماء ہیں (تحریک آزادی میں علماء کرام کا حصہ ۳۰۲)

امارت شرعیہ کے پہلے ناظم، مفتی اور امارت شرعیہ کے ترجمان جریدہ امارت اور نقیب کے مدیر محترم مولانا محمد عثمان غنیؒ نے جدوجہد آزادی میں اپنے قلم کے ذریعہ مجاہدین میں جوش وجذبہ اور حوصلہ پیدا کیا، آپ کی تحریروں نے انگریزوں کو بے حد پریشان کیا، جس کے نتیجہ میں امارت کے پرچے ضبط ہوئے، ضمانت طلب کی گئی، مولانا محمد عثمان غنیؒ کو جیل کے اندر ڈالا گیا، لیکن یہ مرد مجاہد اس قدر حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار تھا کہ قید وبند کی صعوبتیں بھی اس کے قلم کو روک نہیں سکیں اور ''امارت'' کو بالآخر بند کر دینا پڑا، اس کے بعد ''نقیب'' کے نام سے امارت کا ترجمان نکلنا شروع ہوا، جو آج تک نکل رہا ہے، آزادی سے قبل تک اس نے انگریزوں کے خلاف قلمی جہاد کیا، اور آزادی کے بعد مسلمانوں کو متحد ومتفق کرنے، اصلاح معاشرہ اور اہم موضوعات پر اس کے مضامین ومقالات آج بھی موثر کردار ادا کر رہے ہیں۔

میں نے اپنے ایک مضمون ''بے باک صحافی۔ مولانا مفتی محمد عثمان غنیؒ'' میں لکھا تھا: ''آپ کی تحریروں میں حکومت برطانیہ پر جارحانہ تنقید ہوا کرتی تھی، اور یہ تنقید حکومت لئے ناقابل برداشت تھی، کئی بار مقدمہ چلا، ۸؍مئی ۱۹۲۶ء کے ایک اداریہ پر حکومت نے اس شمارہ کو ضبط کرلیا اور سرکار انگلیشہ نے بغاوت کا مقدمہ کر دیا، ۲؍نومبر ۱۹۲۶ء کو نچلی عدالت سے ایک سال قید اور پانچ سو روپے جرمانہ کا حکم دیا تھا، ایک ماہ جیل میں رہنے کے بعد ۲۷؍دسمبر ۱۹۲۶ء کو عدالت عالیہ سے ضمانت منظور ہوئی، قید کی سزا ختم ہو گئی، مگر جرمانہ بحال رکھا گیا۔

۱۹۲۷ء اگست میں بتیا فساد کے موقع سے ۲۰؍صفر ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹؍اگست ۱۹۲۷ء کا ایک اداریہ پھر حکومت کی جبین اقتدار پر شکن کا سبب بن گیا، دفعہ ۱۵۳ (الف) کے تحت مقدمہ چلا، ایک سال قید، ڈھائی سو روپے جرمانہ کی ادائیگی کا حکم ہوا، سر علی امام نے مولانا کی طرف سے اس مقدمہ میں پیروی کی، ایک روز جیل میں رہنے کے بعد ضمانت ملی، ڈسٹرکٹ جج کے یہاں سے ۳۰؍اپریل ۱۹۲۸ء کو مولانا کو انصاف ملا اور وہ بری کر دئے گئے، تیسری بار پھر ایک اداریہ کی وجہ سے ۱۳۵۲ھ میں حکومت بہار نے ایک ہزار روپے کی ضمانت طلب کی، امارت شرعیہ کے ذریعہ اس جرمانہ کی ادائیگی ممکن نہیں ہوئی اور ''امارت'' کو بند کر دینا پڑا۔ مولانا ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی شمسی لکھتے ہیں: ''امارت شرعیہ کے پندرہ روزہ جریدہ ''امارت'' نے اپنے انقلابی مضامین کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں جوش آزادی پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا، اس کے باغیانہ وانقلابی مضامین کی وجہ سے انگریزوں نے اس پر مقدمہ چلایا اور جرمانہ عائد کیا، بالآخر اس کو بند کر دینا پڑا (تحریک آزادی میں علماء کا حصہ ۲۰۳) شاہ محمد عثمانؒ کے ان جملوں پر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں، لکھتے ہیں: ''امارت شرعیہ اور جمعیۃ علماء کے لوگ تو جنگ آزادی میں کود جانے کے حامی تھے اور وہ کود گئے (ان کے لئے) جہاد حریت میں شرکت محض قومی نظریہ نہیں بلکہ اسلامی مفادات کا تقاضہ تھا (حسن حیات ۸۶)

Scanned with CamScanner

ملی سرگرمیاں

مولانا مفتی محمد سہراب ندوی

حکومت وقف بل میں ترمیم کی کوشش کرکے شہریوں کا اعتماد ختم کر رہی ہے-امیر شریعت

مسلمان الله کے لئے وقف کردہ زمینوں کی حفاظت کی خاطر ہر ممکن قانونی جدو جہد کریں گے

امیر شریعت بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ نے حکومت کی جانب سے وقف بل میں مجوزہ ترامیم پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ ترمیمات وقف املاک کو ناجائز قبضوں سے بچانے کے لئے ملے ہوئے محدود اختیارات کو بھی چھیننے کی ایک مذموم کوشش اور مذہبی، رفاہی اور معاشرتی مقاصد کے لیے وقف کردہ اجتماعی اثاثوں کی سالمیت کے لیے خطرہ ہیں، امیر شریعت نے حکومت کے اس اقدام کی شدید مذمت کرتے ہوئے مزید کہا کہ یہ مسلم کمیونٹی کو پسماندہ کرنے اور دائیں بازو کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے کی ایک منظم سازش ہے، حکومت کے اقدامات کئی وجوہات کی بنا پر تشویش کا باعث ہیں: **معقول وجوہات کا فقدان:** مجوزہ ترمیمات کے ذریعے وقف ایکٹ کو کمزور کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے؛ اس کے برعکس ضرورت اس بات کی ہے کہ وقف املاک کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے ایکٹ کو اور مضبوط بنایا جائے، **متاثرین سے عدم مشاورت:** اس بل کو مسلم شہری اسٹیک ہولڈرز سے مشورہ کیے بغیر خفیہ طور پر تیار کیا گیا ہے، جو کہ جمہوری اور پارلیمانی نظام سے بالکل متضاد عمل ہے، **آئین پر اعتماد کا خاتمہ:** جس طریقے سے اس بل کو پیش کیا جا رہا ہے اس سے مختلف طبقات کے درمیان پر امن بقائے باہمی کو یقینی بنانے والے آئین اور ہمارے ملک کے جمہوری تانے بانے پر اعتماد ختم ہوتا ہے، ووٹوں کی تقسیم اور اپنا ووٹ بینک بڑھانا: ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بی جے پی وقف ایکٹ کو کمزور کرکے، بنیاد پرست ہندوؤں کو خوش کرنا اور اپنے ووٹ بینک میں اضافہ کرنا چاہتی ہے نیز اس حکمت عملی کے ذریعے اپنی انتخابی فتح کو بھی یقینی بنانا چاہتی ہے، خواہ اس سے عوام اور پورے ملک پر منفی اثرات ہی کیوں نہ مرتب ہوں، **وسائل کی غلط تقسیم:** حکومت کے اقدامات مثلاً حج سبسڈی کو ہٹانا، مولانا آزاد فاؤنڈیشن کے بجٹ میں کٹوتی اور اقلیتی وزارت کے بجٹ میں کمی اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ حکومت منظم طریقے سے مسلم کمیونٹی کے وسائل کو ختم کرنا چاہتی ہے، **امت مسلمہ پر اثرات:** تجاوزات سے اجتماعی املاک کا نقصان: وقف کی ہر زمین اللہ (ص) کے لیے مخصوص ہوتی ہے، اس پر کوئی بھی ناجائز استعمال یا ناجائز قبضہ بہت بڑا ظلم ہے، اس کو تحفظ فراہم کرنے والے قوانین کو کمزور کرنے سے نجی افراد، کارپوریشنز یا حکومت کی طرف سے غیر قانونی قبضے میں اضافہ ہو جائے گا، **منفی اقتصادی اثر:** وقف کی اکثر املاک کمیونٹی کی فلاح و بہبود جیسے تعلیم، صحت کی دیکھ بھال اور سماجی خدمات وغیرہ کے لیے آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہیں، کسی بھی طرح کا ناجائز قبضہ یا بدانتظامی ان وسائل میں کمی لا سکتی ہے، جس سے کمیونٹی کی سماجی اور اقتصادی حالت پر منفی اثر پڑے گا، **ثقافتی اور مذہبی ورثے کا نقصان:** وقف املاک تاریخی، ثقافتی اور مذہبی اہمیت کی حامل ہیں، ان کا نقصان یا انحطاط ثقافتی اور مذہبی ورثے کو نقصان پہونچائے گا اور اس سے کمیونٹی کی شناخت اور روایات متاثر ہوں گی۔

ہمارا عزم: ان مسائل کے حل کے لیے امیر شریعت نے تمام سیاسی جماعتوں اور رہنماؤں سے متحد ہو کر درج ذیل اقدامات کی اپیل کی ہے، **جامع بحث کا مطالبہ کریں:** بل کی مکمل جانچ پڑتال کے لیے تفصیلی بحث کا پرزور مطالبہ کریں، **کمیٹی ریفرل کے لیے پیش کریں:** تفصیلی تجزیے کے لیے بل کو قائمہ یا سلیکٹ کمیٹی کے پاس بھیجے جانے کی وکالت کریں، **پارلیمانی طریقہ کار کو بروئے کار لائیں:** بل کی پیش رفت میں تاخیر کے لیے پوائنٹس آف آرڈر اٹھائیں، ڈویژن کا مطالبہ کریں اور تحریک التواء کا استعمال کریں، **بیداری پیدا کریں:** مسلم کمیونٹی کو دعوت دیں کہ وہ پارٹی اور اتحادی رہنماؤں کے درمیان آکر وقف اور وقف ایکٹ کی اہمیت پر گفتگو کریں، **بل کو ناکام کریں:** آپسی اتحاد کو مضبوط کریں، سارے اراکین کی حاضری کو یقینی بنائیں اور بل کو ناکام کرنے کے لئے ترمیمات تجویز کریں، امارت شرعیہ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ تمام شہریوں بالخصوص پس ماندہ مسلم کمیونٹی کے حقوق کے تحفظ اور آئین کے اصولوں کی بالادستی کے لئے پرعزم ہے، امیر شریعت نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ہم کو بحیثیت امت مسلم قوم کی بہتری کے لئے پوری تندہی سے کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ بہترین نتائج کے حصول کو یقینی بنایا جا سکے۔

وقف ایکٹ میں ترمیمات کی کوشش نہایت ہی تکلیف دہ اور شریعت میں کھلی مداخلت۔امیر شریعت

تمام ملی تنظیمیں مسلسل سیاسی سیکولر جماعتوں سے رابطہ میں، جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کے ممبران سے ہوگی گفت وشنید

پارلیامنٹ میں وقف ترمیمی بل پیش کیا جانا دستور ہند میں دیئے گئے حقوق کے منافی اور شریعت میں کھلی مداخلت ہے، بل پیش ہونے پر اپوزیشن کی مضبوط مخالفت اور بل کو پاس ہونے سے روکنے اور اسے جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کے سپرد کروانے کی کوشش لائق تحسین ہے۔ حکومت کے اس غیر معقول اقدام سے تمام ملی تنظیموں اور دانشوروں میں بے چینی پائی جا رہی ہے، حضرت امیر شریعت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب دامت برکاتہم اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ کسی طرح موجودہ وقف ایکٹ میں کسی طرح کی ترمیم نہ ہو پائے، انہوں نے اس سلسلے میں ہندوستان کی تمام ملی تنظیموں اور سیکولر پارٹیوں سے رابطہ بنائے رکھا ہے، مسلم ایم پی حضرات سے بھی تبادلۂ خیال جاری ہے؛ تاکہ وہ ایوان میں اوقاف سے متعلق شرعی نقطۂ نظر کی صحیح ترجمانی کرتے رہیں، وزیر اعلیٰ بہار، اڈیشہ، جھارکھنڈ اور دیگر صوبوں سے بھی ملاقات کے لئے وقت مانگا گیا ہے، جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کے ممبران سے گفت وشنید کیلئے بھی لائحہ عمل تیار کیا جا رہا ہے، ملاقات میں ان حضرات کے سامنے شرعی موقف کو مضبوطی سے رکھا جائے گا، اس سلسلے میں امارت شرعیہ نے عوامی بیداری لانے اور حکومت کو اپنا احتجاج درج کرانے کی غرض سے ۱۵ رستمبر ۲۰۲۴ء کو باپو سبھا گار ہال نزد گاندھی میدان میں ایک اجلاس بلایا ہے، جس میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داران، بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ اور مغربی بنگال کے وقف بورڈ کے چیرمین، ضلعی کمیٹی کے صدور وسکریٹریز کے ساتھ علماء، دانشوران اور سماج کے ملی مسائل پر فکرمند لوگوں کی شرکت ہوگی، ان شاء اللہ، مسلم تنظیموں کا خیال ہے کہ اگر یہ ترمیمات ہوتی ہیں تو وقف کی شرعی حیثیت ختم ہو کر رہ جائے گی اور سرکاری سطح پر خرد برد اور اوقاف کی زمینوں پر قبضہ کا طویل سلسلہ شروع ہو جائے گا، جس سے ہماری مساجد، مزارات، خانقاہیں، قبرستان وغیرہ محفوظ نہیں رہ سکیں گی اور ملک کے سرمایہ کاروں کو وہ زمین فراہم کرکے اوقاف کی حیثیت کو ختم کر دیا جائے گا، مسودہ میں سنٹرل وقف کونسل میں غیر مسلم ممبران رکھنے کی بات کہی گئی ہے جو کہ غیر معقول اور مذہبی آزادی کے خلاف ہے جب دوسرے مذہب کی مذہبی کونسل میں ان کے علاوہ دوسرے لوگ نہیں رہ سکتے تو مسلمانوں کے ساتھ یہ ناانصافی کیوں؟ وقف کی حیثیت کا فیصلہ جب ڈسٹرک مجسٹریٹ کے ہاتھ میں ہوگا اور ریاستی وقف بورڈ میں ان کو لوگوں کی حیثیت باقی نہیں رہے گی جو اوقاف کی جائداد کو واقف کے منشاء کے مطابق خرچ کرنے پر یقین رکھتے ہیں اور اسے شرعی حکم کے طور پر تسلیم کرتے ہیں، متولی کی حیثیت بھی باقی نہیں رہے گی جو اوقاف کے حوالہ سے ایک شرعی ذمہ داری اور قانونی عہدہ ہے تو پھر وقف کا مصرف ہی بدل کر رہ جائیگا، حضرت امیر شریعت و دیگر ملی تنظیموں ڈاکٹر فرید امان اللہ صاحب جوائنٹ سکریٹری ادارہ شرعیہ، ڈاکٹر فیض احمد قادری صاحب سکریٹری جمعیۃ العلماء بہار (الف)، مولانا محمد ناظم قاسمی صاحب جنرل سکریٹری جمعیۃ العلماء بہار (میم)، مولانا رضوان احمد اصلاحی صاحب امیر جماعت اسلامی حلقہ بہار، مولانا محمد خورشید مدنی صاحب نائب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث بہار، مولانا امانت حسین صاحب جنرل سکریٹری مجلس علما وخطبا امامیہ بہار اور مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی صاحب نائب صدر آل انڈیا مومن کانفرنس نے ان حالات میں کم از کم دو جمعہ وقف کی شرعی حیثیت پر نماز جمعہ سے قبل خطاب کرنے کی اپیل کی ہے، تمام ائمہ کرام کو چاہئے کہ وہ اس پر عمل کریں تاکہ مسلمانوں کا ذہن اس سلسلے میں بیدار ہو اور جب کبھی قیادت اس مسئلہ پر آواز دے تو وہ شریعت کے دفاع میں اٹھ کھڑے ہوں، یہ اطلاع امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کے قائم مقام ناظم جناب مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب نے پریس کیلئے جاری بیان میں دی ہے۔

تحفظ اوقاف کانفرنس کی مناسبت سے وفد امارت شرعیہ کی چیرمین سنی وقف بورڈ سے ملاقات

مورخہ ۶ رجولائی ۲۰۲۴ء کو امارت شرعیہ کے ایک مؤقر وفد نے قائم مقام ناظم مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب کی قیادت میں سنی وقف بورڈ ریاست بہار کے چیرمین محترم جناب الحاج ارشاداللہ صاحب سے ان کے دفتر واقع حج بھون میں ملاقات کی، اس موقع پر محترم چیرمین صاحب، بورڈ کے سی ای او جناب خورشید انور صدیقی صاحب، پٹنہ وقف کمیٹی کے صدر جناب عبدالباقی صاحب و دیگر عملہ نے وفد کا پرتپاک استقبال کیا، واضح رہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی حالیہ تجویز کے تناظر میں امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ پھلواری شریف پٹنہ کے زیر اہتمام ۱۵ رستمبر ۲۰۲۴ء کو باپو سبھا گار ہال گاندھی میدان پٹنہ میں تحفظ اوقاف کانفرنس کے عنوان سے ایک اجلاس ہونا طے پایا ہے، جس میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داران، مختلف ریاستوں کے وقف بورڈ کے سربراہان، اوقاف کمیٹیوں کے ذمہ داران وارکان، ملی وفلاحی تنظیموں کے نمائندگان اور باثر سماجی وسیاسی شخصیات کی بھی شرکت ہونی ہے، یہ ملاقات اسی مناسبت سے کی گئی، جناب قائم مقام ناظم صاحب نے محترم چیرمین صاحب کو کانفرنس کے پس منظر و پیش منظر سے روشناس کراتے ہوئے اوقاف سے متعلق مختلف پہلوؤں پر تبادلۂ خیال کیا، اوقاف کی تحفظ کی راہ میں حائل دشواریوں پر بھی گفتگو کی، کانفرنس کی مقاصد اور اس کی ضرورت کے سلسلہ میں گفتگو کی سماعت کے بعد محترم چیرمین صاحب نے امارت شرعیہ کی اس فکرمندی اور حضرت امیر شریعت مدظلہ کے اس بروقت اقدام کی تحسین کی اور اپنے نیک جذبات کا اظہار کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ یقیناً یہ کانفرنس مؤثر ونتیجہ خیز ثابت ہوگی، یہ کانفرنس صبح ۹ ربجے سے ۲ ربجے دن تک جاری رہے گی، جب کہ اسی تاریخ کو بعد نماز مغرب امارت شرعیہ کے المعہد العالی ہال میں تحفظ مدارس کنونشن کے عنوان سے ایک دوسرا اجلاس بھی منعقد ہوگا، دونوں اجلاس کی تیاری شروع کر دی گئی ہے، قارئین سے دونوں اجلاس کی کامیابی کے لئے دعا درخواست ہے، وفد میں قائم مقام ناظم صاحب کے علاوہ مفتی امارت شرعیہ مولانا سعیدالرحمٰن قاسمی صاحب، نائب ناظم امارت شرعیہ مولانا محمد سہراب ندوی صاحب، نائب قاضی شریعت مولانا مفتی وصی احمد قاسمی صاحب، پروجیکٹ مینجمنٹ کے ذمہ دار جناب الحاج احسان صاحب شریک تھے۔

65 سال یا اس سے زائد عمر کے عازمین کو اب اکیلے حج کرنے کی اجازت نہیں

حج کمیٹی آف انڈیا نے حج پالیسی 2025 کا اعلان کر دیا ہے۔ حج پالیسی 2025 کے مطابق ہر وہ مسلمان جو جسمانی، مالی اور ذہنی طور پر فٹ ہے حج 2025 کے لیے درخواست دے سکتا ہے۔ حج 2025 کے لیے درخواست دینے والے عازمین کے لیے مشین ریڈایبل بین الاقوامی پاسپورٹ، آدھار کارڈ، پین کارڈ، بینک پاس بک/منسوخ شدہ چیک اور درخواست دیتے وقت کورونا ویکسین کی دونوں خوراکوں کا سرٹیفکیٹ اپ لوڈ کرنا لازمی ہوگا۔ ایک کور کے لیے زیادہ سے زیادہ 05 بالغ اور دو بچے ایک ساتھ درخواست دے سکیں گے۔ صرف خاندان کے افراد/قریبی رشتہ دار ہی کور کے لیے درخواست دے سکتے ہیں۔ 45 سال یا اس سے زیادہ عمر کی خواتین حج پر جانا چاہتی ہیں لیکن ان کے ساتھ کوئی مرد محرم نہیں ہے وہ بھی حج کے لیے درخواست دے سکیں گی۔ اقلیتی وزارت کی طرف سے جاری کردہ نئی پالیسی کے مطابق 65 سال یا اس سے زیادہ عمر کے درخواست گزار جو حج پر جانا چاہتے ہیں وہ اب اکیلے حج پر نہیں جا سکیں گے۔ ان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اپنے ساتھ کسی رشتہ دار کو بطور مددگار لے جائیں۔ حج پالیسی 65 سال یا اس سے زیادہ عمر کے عازمین حج کو اکیلے حج پر جانے سے منع کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ غیر محرم کیٹیگری میں 65 سال یا اس سے زائد عمر کی خواتین کے لیے اپنے ساتھ خاتون ساتھی کو لے جانا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حج کمیٹی کے ذریعے زندگی میں صرف ایک بار حج کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

Scanned with CamScanner

تاریخ آزادی - تاریخ ہند کا روشن باب

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء رات کے بارہ بجے، ہندوستان کے گلے سے برطانیہ کی غلامی کا طوق اتر گیا، جبر واستبداد کی بیڑیاں کٹ گئیں، پورا ملک آزادی کی خوشی منا رہا تھا، کیا شہر، کیا دیہات، کیا بنگلہ کیا چوراہا؛ بلکہ کھیت کھلیان تک پر آزادی کا جشن منایا گیا، ستہتر (۷۷) سال بیت گئے اس دن وتاریخ کو، آزاد ہندوستان کے ستہتر (۷۷) سال، کیا کھویا، کیا پایا یہ ایک الگ کہانی ہے، طویل داستان ہے، ستر سال کی بھی اور اس سے قبل جد وجہد آزادی کے پورے دوسو سال، ۱۷۵۷ء سے ۱۹۴۷ء کی بھی ان دوسو سالوں میں سے پورے ایک سو سال ہم تنہا لڑ رہے تھے، انگریزوں سے نبرد آزما تھے، دوسرے مذاہب کے لوگ انگریزوں کے ہم نوا تھے، کئی ان کے تلوے چاٹ رہے تھے، مسلمانوں کی جانب سے چلائی جا رہی آزادی کی تحریک کو سبوتاز کرنے میں لگے تھے، ان میں اپنے بھی تھے اور غیر بھی، اسی سازش کا نتیجہ تھا کہ سراج الدولہ کو پلاسی کی جنگ میں نہ صرف شکست کا سامنا کرنا پڑا؛ بلکہ تین ہزار انگریزی فوج کے مقابلے سراج الدولہ کی ستر ہزار فوج کو منہ کی کھانی پڑی، ۲۲؍جون ۱۷۵۷ء کی تاریخ کو ہمیں یاد رکھنا چاہیے جب سراج الدولہ کے جسد خاکی کو سڑکوں پر گھمایا جا رہا تھا، ایک مجاہد کی لاش، جس نے شہادت قبول کی؛ لیکن انگریزوں کی غلامی نہیں، غداروں میں سرفہرست میر جعفر تھا، غداری کا صلہ بنگال کی نوابی کی شکل میں ملا، لیکن غداری الگ چیز ہے اور نوابی الگ چیز ہے، اس کی نا اہلی نے پہلے اسے معزول کرایا، پھر محمد قاسم منتخب ہوا، لیکن شجاع الدولہ کی بے وفائی نے بکسر میں ہونے والے معرکہ کا رخ بدل دیا، اور شاہ عالم جو شجاع الدولہ کا اس جنگ میں حلیف تھا، اسے بھی ہزیمت اٹھانی پڑی، یہ معمولی لڑائی نہیں تھی، اس شکست نے انگریزوں کی غلامی کا پرچم اودھ سے لے کر بنگال تک لہرا دیا، تاریخ ۲۲؍اکتوبر ۱۷۶۵ء کی تھی۔

۱۷۶۱ء میں حیدر علی نے میسور کا اقتدار سنبھالا اور ٹیپو سلطان کو انگریزوں کے مقابل اتارا، اس وقت ٹیپو سلطان کی عمر صرف سترہ سال تھی کئی معرکوں میں انگریزوں کو پسپائی ہوئی، دب کر اسے صلح کرنی پڑی، حیدر علی کی وفات کے بعد حکمرانی شیر میسور ٹیپو سلطان کے حصہ میں آئی ۱۷۸۴ء میں جب ان کی حکومت کو صرف دوسال ہوئے تھے، انہوں نے انگریزوں کے خلاف تحریک چھیڑ دی، ۳؍مئی ۱۷۸۶ء کو اس مہم کو انہوں نے جہاد کا نام دیا اور عوام میں ایسا جوش بھر دیا کہ ہر خاص وعام انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا، ٹیپو سلطان کا یہ قول تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے کہ ”شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی سے بہتر ہے۔“ شیر میسور نے اس کو عملاً برت کر دکھایا اور جب یہ شیر غداروں کی وجہ سے ۱۷۹۹ء مطابق ۱۲۱۳ھ کو شہید ہوا تو انگریزوں نے اعلان کر دیا کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے، لیکن اس ملک کے علماء نے اس اعلان کو تسلیم نہیں کیا، ان کا زور تھا کہ ہندوستان غیر ملکیوں کا نہیں، ہندوستانیوں کا ہے۔

۱۷۸۹ء، ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۶ء میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے کئی فتاوے آئے جن میں اعلان کیا گیا تھا کہ ہندوستان دار الحرب ہے، اس فتوے نے حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا اسماعیل شہیدؒ، حضرت شاہ رفیع الدینؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ وغیرہ کو انگریزوں کے خلاف کھڑا کر دیا، بہار کی سرزمین سے خانوادہ صادق پور کے علماء بھی اس میں پیش پیش رہے اور ان میں سے کئی نے پھانسی کے پھندے کو چوما، کئی لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور کئی کو کالا پانی بعبور دریائے شور کی سزا ملی، اس جلاوطنی میں کئی لوگ انڈمان نکوبار میں ہی سپرد خاک ہوئے، ابتلاء وآزمائش اور سزاؤں کے اس دور میں بھی مسلمان تنہا ہی تھے، 1818 تک یہ تحریک اس قدر مقبول ہو چکی تھی کہ جنگ آزادی میں یہ ایک نئے عہد اور نئی تاریخ کا آغاز قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسی تحریک کے جاں بازوں میں ایک حاجی شریعت اللہ تھے، جن کی تحریک تو فرائضی تحریک کہی جاتی ہے، لیکن یہ ایک نقاب تھا جو اس تحریک پر ڈالا گیا تھا ورنہ مغربی بنگال میں حاجی محسن عرف دودھو میاں کی رفاقت میں اس تحریک نے انگریزوں کا جینا دوبھر کر دیا تھا، مولوی نثار علی عرف تیتو میاں نے ۲۳؍اکتوبر ۱۸۳۰ کو انگریزوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا، ۱۹؍نومبر ۱۸۳۱ء کو اس کارواں کے افراد انگریزوں کی توپ کا مقابلہ نہ کر سکے اور کچھ نے شہادت پائی اور کچھ نے ہتھیار ڈال دیے، حیدرآباد دکن میں مولانا سید محمد علی رام پوری، کیرالہ میں مولانا شیخ محسن کرکلی، قاضی عمر بلنکوٹی، سید علوی منفری، سید فضل وغیرہ بھی پیش پیش رہے اور ان حضرات کی کوششوں سے ہندو مسلمانوں کو لڑانے کی موبلا شورش ناکام ہوئی۔ ۱۸۵۷ء میں مشہور جنگ آزادی لڑی گئی، جسے ناکام ہونے کی وجہ سے انگریزوں نے غدر کا نام دیا۔ اس کا آغاز تو میرٹھ سے ہوا تھا اور اس کی منصوبہ بندی میں نانا صاحب اور عظیم اللہ خان کا اہم کردار تھا، لیکن اس تحریک کو ملک گیر بنانے کا سہرا مولانا احمد اللہ شاہ مدراسیؒ کے سر جاتا ہے، جنہوں نے آگرہ، دہلی میرٹھ، پٹنہ اور کلکتہ کا سفر کر کے عوام کے اندر جذبۂ جہاد پیدا کیا اور جنوبی ہندوستان راجستھان اور پنجاب کو چھوڑ کر پورا ملک اس تحریک میں شریک ہو گیا، یہ وہ موقع تھا جب جدوجہد آزادی میں برادران وطن بھی شریک ہوئے، منگل پانڈے، جھانسی کی رانی، نانا صاحب، بیگم حضرت محل، تانیا ٹوپے، بہادر شاہ ظفر اس تحریک آزادی کے بڑے سورما تھے، جن کو ہندوستان کی تاریخ میں یاد رکھا گیا ہے، لیکن اسی تحریک میں شامل، شاملی کے میدان میں جیالے حافظ ضامن شہیدؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (متوفی ۱۸۸۰ء)، مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۹۰۵ء) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (متوفی ۱۸۹۹ء) کو کم یاد کیا جاتا ہے، حالانکہ ان جیالوں نے جس طرح انگریزی حکومت سے لوہا لیا اور بے سروسامانی کی حالت میں قربانی دی، وہ تاریخ کا زریں باب ہے اور شاملی کا میدان آج بھی اس کا گواہ ہے۔

اس تحریک کی ناکامی کے بعد علماء دیوبند کو غلام ہندوستان میں اسلامی علوم، تہذیب وثقافت کے تحفظ کا خیال زور پکڑنے لگا، ان زخمی شاہینوں کو ایک ایسی کمین گاہ کی بھی ضرورت تھی جہاں سے انگریزوں کے خلاف تحریک جاری رکھی جا سکے، ضرورت ایک ایسے محاذ کی تھی جس میں جیالے تیار بھی کیے جائیں اور فوری طور پر انگریزوں سے محاذ آرائی کی نوبت نہ آئے، چنانچہ دار العلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا، جس نے اسلامی عقائد وافکار، علوم نبوت اور تہذیب وثقافت کی حفاظت کے ساتھ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا عزیز گل پشاوریؒ، مولانا منصور انصاریؒ، مولانا فضل ربیؒ، مولانا محمد اکبرؒ، مولانا احمد چکوالیؒ، مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ جیسے مجاہدین آزادی اس ملک کو دیئے۔

۱۸۸۴ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، بدر الدین طیب جی اور رحمت اللہ سیانی مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے اس اجلاس میں سرفہرست تھے۔ ۱۸۸۵ء میں کانگریس کا قیام عمل میں آیا، ۱۸۸۷ء میں کانگریس کے چوتھے اجلاس کی صدارت بدر الدین طیب جی نے کی، یہ اجلاس اس وقت کے مدراس اور آج کے چنئی میں منعقد ہوا تھا، ۱۹۱۲ء میں ریشمی رومال تحریک کی ابتدا دیوبند سے ہوئی، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ نے اپنے رفقاء اور قابل اعتماد شاگردوں کے ساتھ اس کا منصوبہ بنایا، قبل از وقت اس راز کے کھل جانے کی وجہ سے اس تحریک کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، ۱۹۱۶ء میں شریف حسین نے آپ کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالہ کر دیا اور ۱۹۱۷ء میں آپ کو جلاوطنی کی سزا دے کر مالٹا بھیج دیا، آپ کے نامور تلامذہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عزیز گل پشاوریؒ، مولانا نصرت حسینؒ، مولانا وحید احمدؒ وغیرہم بھی اپنے استاذ کے ساتھ برسوں قید وبند کی صعوبتیں جھیلتے رہے، ۱۹۱۹ء میں جلیاں نوالہ باغ کا سانحہ پیش آیا، جس میں ہزاروں لوگوں پر جنرل ڈائر کے حکم سے گولیاں چلائی گئیں اور بڑی تعداد میں ہندوستانی شہید ہوئے، اس حادثہ نے آزادی کی جدوجہد میں آگ میں گھی ڈالنے کا کام کیا اور پورا ہندوستان چند مفاد پرستوں کو چھوڑ کر اس تحریک کا حصہ بن گیا، گاندھی جی ۱۹۱۵ء میں افریقہ سے لوٹ آئے اور ۱۹۲۰ء سے تحریک آزادی میں پیش پیش ہو گیے، خلافت تحریک نے خالص مذہبی تحریک ہونے کے باوجود ہندو مسلم اتحاد کو فروغ دیا اور جس کا بڑا فائدہ جدوجہد آزادی کو پہونچا، اب اس قافلہ میں گاندھی کے ساتھ علی برادران یعنی مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، علماء دیوبند جن کے نام تفصیل سے اوپر آ چکے ہیں شامل ہو گئے، بانی امارت شرعیہ ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ، مولانا فاخر الہ آبادیؒ، مولانا آزاد سجانیؒ، سرحدی گاندھی خان عبد الغفار خانؒ، مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ، مولانا آزاد سبحانیؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا شفیع داؤدیؒ، مولانا مظہر الحقؒ وغیرہ کے اس قافلہ میں پوری توانائی کے ساتھ شرکت کرنے کی وجہ سے اس تحریک نے فروغ پایا، ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کے قیام کے بعد مسلمانوں کی توجہ اس طرف ہوئی۔ داستانیں ابھی اور بھی ہیں ۱۹۲۱ء میں موپلا بغاوت، ۱۹۲۲ء میں چورا چوری کانڈ ۱۹۲۵ء میں کاکوری کیس ۱۹۳۰ء میں سول نافرمانی تحریک، ۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑو تحریک ۱۹۴۶ء میں بحری بیڑے کی بغاوت؛ یہ سب اس جدوجہد آزادی کے جلی عنوان ہیں، خواتین نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا، علی برادران کی ماں بی اماں، سروجنی نائڈو، بی بی امت الاسلام، زینت محل، کستوربا گاندھی، کملا نہرو، سکینہ لقمانی، اہلیہ شفیع داؤدی کی قربانیوں کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس موقع سے رام پرشاد بسمل، بھگت سنگھ، چندر شیکھر آزاد، اشفاق اللہ خان کو بھی بھلایا نہیں جا سکتا، جنہوں نے ہنستے ہنستے ملک کو آزاد کرانے کی خاطر پھانسی کے پھندے کو چوما اور اس پر جھولنا پسند کیا، ان شہیدوں کے خون کی لالی ہمارے ترنگا کا اہم رنگ ہے، اور ہم اسے کسی طور فراموش نہیں کر سکتے، بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر، ڈاکٹر راجندر پرشاد، پنڈت جواہر لال نہرو، مدن موہن، نیتا جی سبھاش چندر بوس کی صلاحیتوں سے بھی تحریک کو بہت حوصلہ ملا۔ آزادی کی اس لڑائی کو عوامی بنانے میں ملک کے اخبارات ورسائل نے بھی اپنی ذمہ داری نبھائی، امارت شرعیہ کے ترجمان ”امارت“ کی ضمانت ضبط ہو گئی اور اس کو پابندی کا سامنا کرنا پڑا، اس کے ایڈیٹر کو قید وبند کی صعوبت دی گئی، چنانچہ اس کا نام بدل کر نقیب کر دیا گیا، مولانا ابوالکلام آزاد کے الہلال، البلاغ، مولانا محمد علی جوہر کا ہمدرد، مولانا حسرت موہانی کی اردوئے معلی، مولانا ظفر علی خان کے زمیندار وغیرہ نے بھی اپنی ذمہ داری نبھائی، اردو نے آزادی کی تحریک کو انقلاب زندہ باد کا نعرہ دیا اور ڈاکٹر محمد اقبال نے ”سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا“ جیسی نظم کہہ کر حب الوطنی کا ثبوت دیا، یوں سب کی قربانیوں کے طفیل ہندوستان آزاد ہوا، ملک کو سیاستدانوں نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا، آزادی کا سورج طلوع ہوا تو زمین خون سے لالہ زار تھی، دونوں ملکوں سے لوگ منتقل ہو رہے تھے، زمین جائیداد، بنگلے کوٹھیاں سب چھوڑ گئے، مسجدیں ویران ہو گئیں اور جاتے ہوئے بہت ساروں نے غیروں کے ہاتھوں دنیائے فانی سے جہان باقی کی طرف کوچ کر لیا، دل ٹوٹنے لگے اور ٹوٹتے چلے گیے، مولانا آزاد کی مؤثر تقریر بھی ملک چھوڑنے والوں کے لیے غیر مؤثر ہو گئی، جو اس ملک میں رہ گیے انہوں نے بائی چانس (By Chance) سکونت نہیں اختیار کی (By Choice) یہاں رہنا پسند کیا، ہندوستان ان کی پسند تھی، چنانچہ انہوں نے اپنی ساری توانائی اور ساری صلاحیتیں اس ملک کو ترقی کی راہ پر لانے کے لیے لگا دیں، ملک پر آفت آئی تو ویر عبد الحمید نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے ٹینک کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

ع پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں

آج اس ملک کے جو حالات ہیں، ان میں ایک اور آزادی کی لڑائی کی ضرورت ہے، یہ لڑائی بدعنوانی کے خلاف ہو، فرقہ پرستی کے خلاف ہو، عدم رواداری کے خلاف ہو، انسانی جانوں کے تحفظ کے لیے ہو، جمہوری اقدار کی حفاظت کے لیے ہو، معاشی طور پر خود کفیل بننے کے لئے ہو، غیر ملکی قرضوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے ہو، اعلیٰ اخلاقی اقدار کی ترویج واشاعت کے لیے ہو تبھی ہم مل کر گا سکتے ہیں:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

Scanned with CamScanner

خلفاء راشدین کے چند اہم کارنامے

مولانا شعیب اللہ صاحب مفتاحی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رسالت ونبوت کی عظیم ذمہ داری کا حق کما حقہ ادا کرنے کے بعد ۱۲/ربیع الاول ۱۱ہجری کو تقریباً ۶۳/سال کی عمر میں رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تقریباً ۳۰/سال یعنی ۴۰/ہجری تک حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں بخوبی انجام دیں۔ ۱۱ہجری سے ۴۰ہجری تک کا وقت تاریخ میں خلافت راشدہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور ان جلیل القدر صحابہ کو خلفاء راشدین کے نام سے جانا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خلفاء راشدین کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: (تم میری اور میرے بعد آنے والے خلفاء راشدین کی سنت کو بہت مضبوطی کے ساتھ پکڑلو)۔ (ترمذی، ابوداؤد)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات: (میری امت میں خلافت تیس سال تک رہے گی پھر بادشاہت ہوجائے گی) (ترمذی، مسند احمد)، (تمہارے دین کی ابتدا میں نبوت ورحمت ہے پھر خلافت ورحمت ہوگی، پھر بادشاہت ہوجائے گی) (سیوطیؒ) کی روشنی میں محدثین ومفکرین اور مؤرخین فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد (تم میری اور میرے بعد آنے والے خلفاء راشدین کی سنت کو بہت مضبوطی کے ساتھ پکڑلو) سے مراد یہی چار خلفاء ہیں، جن کا تعلق قبیلہ قریش سے ہے۔ ان کے بعد یہ خلافت بادشاہت میں تبدیل ہوتی چلی گئی، اور خلیفہ نے ایک بادشاہ کی حیثیت اختیار کرلی۔ مؤرخین نے حضرت حسن بن علیؓ کی حضرت معاویہؓ سے صلح سے قبل تقریباً سات ماہ کی خلافت کو بھی خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے، کیونکہ حضرت حسنؓ کی تقریباً ۷ ماہ کی خلافت کو شمار کرکے ہی تیس سال مکمل ہوتے ہیں۔ بعض مؤرخین نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو حکماً پانچواں خلیفہ راشد شمار کیا ہے، کیونکہ انہوں نے چاروں خلفاء کے نقش قدم پر چل کر خلافت کی ذمہ داریاں نبھائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں دین اور دنیا کے امور میں سرپرستی کرنے اور شرعی احکامات کا نفاذ کرانے کا نام خلافت ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ (خلافت ۱۱/ہجری سے ۱۳/ہجری تک): آپؓ کا نام عبداللہ بن ابی قحافہ، کنیت ابوبکر، اور واقعہ معراج پر تصدیق کرنے سے لقب صدیق ہوا۔ نبی اکرم ا کی بعثت کے روز ہی حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ ان کی تبلیغ سے بے شمار صحابہ کرام اسلام لائے جن میں بعض اہم نام یہ ہیں: حضرت عثمان غنیؓ، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔ اسلام لانے کے بعد سے موت تک پوری زندگی اعلاء کلمۃ اللہ اور احیاء اسلام میں لگادی۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں آپؓ بڑی سخاوت اور فراوانی سے خرچ کرتے تھے، مثلاً بے شمار غلاموں کو خرید کر آزاد کیا، جن میں رسول اللہ کے مؤذن حضرت بلالؓ بھی ہیں۔ آپؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد نکاح فرمایا۔ آپؓ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کی۔ قرآن کریم کی آیت (ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ) (سورہ التوبۃ ۴۰) میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کا ذکر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل چند نمازیں حضرت ابوبکرؓ ہی نے امامت کرکے صحابہ کرام کو پڑھائیں۔ انتقال کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مل کر نمازِ فجر کی امامت کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے مشورہ سے آپ کو خلیفہ متعین کیا گیا۔ آپکی خلافت کے چند اہم کام یہ ہیں: ☆ حضرت اسامہ بن زیدؓ کے لشکر کو ملک شام روانہ کیا، جو افواج قیصر کو پسپا کرکے فتح یاب ہوا اور صحیح سالم واپس آیا۔ ☆ مرتدین، مانعین زکوٰۃ اور داعیان نبوت سے قتال کرکے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پیدا ہوئے تمام فتنوں کو ختم کیا۔ ☆ مذکورہ فتنوں کا قلع قمع کرنے میں بے شمار حفاظ کرام شہید ہوئے، چنانچہ آپؓ نے قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کرایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ۱۳/ہجری میں انتقال ہوا، حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپؓ کی عمر تقریباً ۶۳/سال اور خلافت ۱۱/ہجری سے ۱۳/ہجری تک دوسال تین ماہ دس دن رہی۔

حضرت عمر فاروقؓ (خلافت ۱۳/ہجری سے ۲۳/ہجری تک): آپؓ کا نام عمر بن خطاب، کنیت ابوحفص اور لقب فاروق (حق کو باطل سے الگ کرنے والا) ہے۔ ۶/نبوت میں ۳۳/سال کی عمر میں اسلام لائے۔ آپ سے قبل ۳۹ مرد اسلام قبول کرچکے تھے۔ آپؓ کے قبول اسلام پر مسلمانوں نے تکبیر بلند کی۔ آپؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بہت تقویت اور ہمت ملی۔ تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ قرآن کریم اگرچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں جمع کیا گیا مگر یہ تجویز حضرت عمر فاروقؓ کی ہی تھی، اور انہیں کے اصرار پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اس عمل کے لئے تیار ہوئے تھے۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت خفیہ طور پر نہیں کی بلکہ علانیہ طور پر کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے مرض الوفات میں صحابہ کرام کے مشورہ سے حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کا خلیفہ متعین فرمایا۔ بعد میں آپؓ کو امیر المؤمنین کے خطاب سے نوازا گیا۔ آپؓ کے عہد خلافت میں ملک عراق، فارس، شام اور مصر فتح ہوئے، اسلامی کیلنڈر کا افتتاح ہوا، کوفہ اور بصرہ شہر آباد کئے گئے، ماہِ رمضان میں نمازِ تراویح کا جماعت کے ساتھ اہتمام شروع ہوا، زکوٰۃ کی آمدنی کے اندراج کی غرض سے بیت المال قائم کیا گیا۔ ۲۶/ذی الحجہ ۲۳/ہجری کی صبح آپؓ مسجد نبوی میں نمازِ فجر کی امامت کررہے تھے کہ فیروز نامی مجوسی غلام نے خنجر سے زخمی کیا، چار دنوں کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴/ہجری کو انتقال فرماگئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت دس سال، چھ ماہ اور چار دن رہی۔

حضرت عثمان غنیؓ (خلافت ۲۴/ہجری سے ۳۵/ہجری تک): آپؓ کا نام عثمان بن عفان، کنیت ابوعبداللہ اور ابوعمرو ہے۔ نبی اکرم ا کی دو صاحبزادیاں (رقیہؓ اور ام کلثومؓ) یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں، اس لئے ذوالنورین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ دو بار حبشہ ہجرت کی، پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ آپ نے اللہ کے راستہ میں بہت مال خرچ فرمایا، غزوہ تبوک کے لشکر کی تیاری کے لئے بے شمار مال واثاثے عطا فرمائے۔ جنگ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد خلیفہ ہوئے۔ ۳۵/ہجری میں ۸۲/سال کی عمر میں آپؓ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ آپؓ کی خلافت گیارہ سال، گیارہ ماہ اور تیرہ دن رہی۔ آپ کی خلافت میں تونس ملک فتح ہوا۔ فتوحات کی وجہ سے اسلامی مملکت میں بہت زیادہ توسیع ہوئی، جسکی وجہ سے یہ سوچ کر کہ کہیں قرآن کریم کی قرأت میں اختلاف رونما نہ ہوجائے، آپؓ نے قرآن کریم کو ایک صحیفہ (مصحف عثمانی) میں جمع کرایا اور اس صحیفہ کے نسخے تمام ریاستوں میں ارسال کئے، اس طرح قرآن کریم کے ایک نسخہ (مصحف عثمانی) پر امت مسلمہ متحد ہوگئی۔

حضرت علی مرتضیٰؓ: (خلافت ۳۵/ہجری سے ۴۰/ہجری تک): آپؓ کا نام علیؓ بن ابی طالب، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے۔ آپؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپؓ کی تربیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے آپ کی شادی ہوئی۔ آپؓ نے بچپن میں بھی کبھی بت پرستی نہیں کی تھی۔ تیرہ سال کی عمر میں اسلام لائے، بچوں میں سب سے پہلے آپ ہی اسلام لائے تھے۔ شب ہجرت میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سوئے۔ وحی لکھنے والے چند صحابہ میں سے ایک آپؓ بھی ہیں۔ جنگ تبوک کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑا۔ سوائے اس جنگ کے باقی تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ آپؓ کی شجاعت کے کارنامے بہت مشہور ہیں۔ آپؓ کی علمی حیثیت بڑی مسلم تھی حتی کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک موقع پر فرمایا کہ حضرت علیؓ ہم سب سے بڑھ کر قاضی ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد صحابہ کرام نے مشورہ کے بعد آپؓ کو خلیفہ متعین کیا۔ آپؓ نے چند مصلحتوں کی وجہ سے مسلمانوں کا دار الخلافت مدینہ منورہ سے عراق کے شہر کوفہ منتقل کردیا۔ پولس کا شعبہ بنایا۔ ۳۶/ہجری میں جنگ صفین واقع ہوئی۔ ۱۷/رمضان المبارک ۴۰/ہجری کی صبح کو ابن ملجم کے ہاتھوں شہید ہوگئے اور کوفہ ہی میں دفن کئے گئے۔ اس طرح آپ کی کل عمر تقریباً ۶۳/سال اور آپؓ کی خلافت چار سال سات ماہ رہی۔

حضرت حسن بن علیؓ: آپ کا نام حسن بن علیؓ ہے، آپ کی والدہ حضرت فاطمہؓ ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں۔ رمضان ۳/ہجری میں پیدا ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے بہت محبت کیا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد عراق میں مسلمانوں کے اصرار پر حضرت حسنؓ نے بیعت خلافت لی۔ دوسری طرف شام میں حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ ممکن تھا کہ مسلمانوں کے درمیان ایک اور جنگ شروع ہوجائے لیکن حضرت حسنؓ انتہائی زاہد ومتقی اور اللہ سے ڈرنے والے تھے، انہوں نے اپنی دوراندیشی سے مسلمانوں کو قتل عام سے بچاکر حضرت معاویہؓ کے ساتھ صلح فرمالی اور خلافت سے دست بردار ہوگئے۔ ۵۰/ہجری میں ۴۷/سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

خلافت راشدہ: ۱۱ہجری سے ۴۱/ہجری تک (۶۳۲-۶۶۲) ۳۰/سال ☆ **خلافت بنوامیہ:** ۴۱/ہجری سے ۱۳۲/ہجری تک (۶۶۲-۷۵۰) ۹۱/سال ☆ **خلافت بنوعباسیہ:** ۱۳۲/ہجری سے ۶۵۶/ہجری تک (۷۵۰-۱۲۵۸) ۵۲۴/سال ☆ **خلافت عثمانیہ:** ۶۹۸/ہجری سے ۱۳۴۲/ہجری تک (۱۲۹۹-۱۹۲۴) ۶۲۴/سال۔

غرضیکہ ۱۹۲۴ میں تقریباً ۱۳۵۰/سال بعد مسلمانوں کی ایک مرکزی خلافت/حکومت ختم ہوگئی۔

عشقِ وطن

وطن کی خاک میں مل کر یہیں رہیں گے ہم
جنم یہیں پہ لیے ہیں یہیں مریں گے ہم

ہم اس زمین کے وارث ہیں کوئی غیر نہیں
ملا جو حق نہ ہمارا تو چھین لیں گے ہم

کیا ہے ملک کو آزاد ہم نے خوں دے کر
پڑے گی جب بھی ضرورت توجان دیں گے ہم

دیا ہے درس نبی ﷺ نے وطن سے الفت کا
وطن سے عشق دل وجان سے کریں گے ہم

وطن سے عشق ہے کتنا، صفائی کیوں ہم دیں
نہ ان فضول کی باتوں میں اب پڑیں گے ہم

سہا گیا نہ ستم ہم سے جب فرنگی کا
تو اور کس کا ستم کب تک سہیں گے ہم

فضا میں جب کبھی حیدرؔ ترنگا لہرے گا
تو بس ترانۂ ہندی سدا پڑھیں گے ہم

اشتیاق حیدر قاسمی حسنی پوری
خادم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

Scanned with CamScanner

دینی مدارس کی مشکلات اور ہماری ذمہ داریاں

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی

دینی مدارس کو معروف اصطلاح میں ”دین کے قلعے“ کہا جاتا ہے۔ بلاشبہ مسلم معاشرے کے لیے دینی مدارس کی حیثیت رگ جاں کی بھی ہے اور جدید تعلیم کے پروان چڑھتے ہوئے موجودہ ماحول میں ان دینی مراکز کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ یہ دینی ادارے مسلمانوں کے تعلیمی نظام کا بنیادی حصہ ہیں اور اسی لیے یہ ہمیشہ ملت کے اصحاب وسائل کے تعاون کے مستحق رہے ہیں اور حقیقت یہ کہ ملت کے بہی خواہوں اور اہل خیر کے فراخ دلانہ تعاون ہی سے ان کا انصرام وانتظام جاری رہا ہے۔ موجودہ صورت حال میں انہیں ہر ممکن تعاون دینا اور ضروری ہوگیا ہے۔ کورونا کی وبائی بیماری کے بعد معاشرہ کا ہر طبقہ آزمائش سے دوچار، پریشاں حال ومضطرب ہے اور حالات سے نپٹنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اہلِ مدارس بھی اسی معاشرہ کا حصہ ہیں، وہ کیسے اس تشویش ناک صورت حال کے مضمرات سے بچ سکتے ہیں۔ ہم سب اس سے بخوبی واقف ہیں کہ مدارس کی سالانہ آمدنی میں بیشتر حصہ زکوۃ، صدقات وعام عطیات کے طور پر وصول ہونے والی رقوم کا ہوتا ہے۔ درانحالیکہ مہنگائی نے ہر شعبہ زندگی کو متاثر کیا ہے جس سے مدارس بھی متاثر ہیں۔ اس وقت اہل مدارس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اساتذہ وکارکنان کی تنخواہوں کی ادائیگی اور دوسرے اخراجات کی تکمیل ہے۔ پہلے یہ سننے میں آیا تھا کہ بعض مدارس میں وسائل کی کمی کے سبب وقت پر اساتذہ کرام کی تنخواہ کی ادائیگی مشکل ہو رہی ہے، اب یہ خبریں آرہی ہیں کہ بعض مدارس کی انتظامیہ نے مالی بحران کی وجہ سے اساتذہ کے مشاہرہ میں تخفیف، اسٹاف کم کرنے یا کچھ کو حالات کے معمول میں آنے تک منتظرین کی فہرست میں رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ دینی تعلیم کے ان اداروں کے نظام کا کمزور ہونا، ان کے اساتذہ وکارکنان کا پریشانی میں مبتلا ہونا اور ان کی سرگرمیوں میں خلل آنا اس پورے تعلیمی نظام کو متاثر کرسکتا ہے۔ یہ صورت حال پوری ملت بالخصوص مدارس کے ذمہ داروں اور متعلقین کے لیے باعث تشویش ہے اور اصحاب وسائل اور اہل خیر حضرات کو ان اداروں کے ساتھ فراخ دلانہ تعاون کی دعوت دے رہی ہے اور ملت کے رہنماؤں وخیر خواہوں کو انہیں بحرانی کیفیت سے نکالنے کی فکرمندی اور موثر تدابیر کی طرف متوجہ کر رہی ہے۔ دینی مدارس یا اس کے تعلیمی نظام سے اصل مقصود، جیسا کہ معروف ہے، اسلامی علوم (تفسیر، حدیث وفقہ) اور عربی وفارسی زبان وادب کے ماہرین پیدا کرنا یا ایسے باصلاحیت افراد تیار کرنا ہے جو اپنی ضروریات پوری کرنے کے ساتھ مسلم معاشرہ کی اجتماعی ضروریات کی تکمیل کے اہل ہوں اور ملی کاموں کے لیے مفید ثابت ہوسکیں۔ دوسرے لفظوں میں مدارس کے فارغین اس لائق بن جائیں کہ وہ قرآن وحدیث کی تشریح وترجمانی، روزمرہ زندگی کے مسائل کے بارے میں احکام شرعی کی وضاحت ودرپیش معاملات میں عام مسلمانوں کی صحیح رہنمائی اور دینی علوم اشاعت وترقی کا فریضہ بخوبی انجام دے سکیں۔ حقیقت یہ کہ ان اہم ضروریات کی تکمیل کی خاطر امت مسلمہ کو علماء وماہرین کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے اور موجودہ دور میں جدید تعلیم کی اشاعت کے پروان چڑھتے ماحول میں ان کی ضرورت اور بڑھ گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر میں مدارس کا بقا وتحفظ اور ان کی بنیادی خصوصیات کا استحکام پہلے سے زیادہ ضروری ہوگیا ہے۔ دوسرا سب سے بڑا مسئلہ یہ درپیش ہوگیا ہے کہ آسام، یوپی اور مدھیہ پردیش وغیرہ کے دینی مدارس پر حکومت کی بدنگاہی نے ملک کی قیادت کو تشویش میں مبتلا کردیا ہے حکومت ان مدارس کے نظام تعلیم کو تعلیم ہی نہیں سمجھتی جو کہ دستور کی دفعہ 30 کے قطعی منافی ہے اس آرٹیکل میں اپنی پسند کے تعلیمی نظام کو چلانے کی اجازت ہے۔ جس پر حکومت نشتر چلا کر بند کرنا چاہتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جدید دور کو سائنس، ٹکنالوجی اور دیگر نئے علوم کے غلبہ کا دور کہا جاتا ہے، ان علوم میں بڑھتی ہوئی غیر معمولی دلچسپی اور مقابلہ آرائی کا ماحول محتاج بیان نہیں۔ اس صورت حال میں ان علوم کے اکتساب پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے، جن کی بظاہر کوئی مارکٹ ویلو نظر آتی ہے۔ حقیقت یہ کہ دینی تعلیم کی قدر وقیمت مارکٹ ویلو کے پیمانہ پر نہیں ناپی جاسکتی، دینی تعلیم کا اہتمام اصلاً اہل اسلام کی مذہبی ضروریات سے وابستہ ہے اور ان ضروریات کا تعلق اہل اسلام کی انفرادی واجتماعی دونوں زندگی سے ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمانوں کی بہت سی مذہبی ملی تعلیمی ومعاشرتی ضروریات کی تکمیل دینی علوم کے ماہرین یا مدارس کے فضلاء پر منحصر ہے۔ اس کے علاوہ سماجی زندگی کی بہتری واصلاح میں ان کا جو نمایاں کردار ہوتا ہے اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ جدید تعلیم کے اپنے فوائد ہیں اور اہل اسلام کے لیے عصری علوم میں بھی مہارت کی ضرورت وافادیت ہے، عصر حاضر میں اس سے اعراض کرنا حقائق سے منہ موڑنا ہے۔ اس میدان میں بھی اہل اسلام کی دلچسپی اور تگ ودو مطلوب ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ اس پہلو سے بھی ان کی تعلیمی حصول یابیوں میں کافی پیش رفت ہوئی ہے اور مسلمانوں کی تعلیمی زندگی میں خوش گوار تبدیلیاں آئی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلم معاشرہ میں دینی تعلیم کا بدل کوئی دوسرا نظام تعلیم نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا کہ قرآن وسنت کی تشریح وتوضیح، اسلامی قانون کی ترجمانی، نئے مسائل میں شرعی نقطہ نظر کی وضاحت، مسلم پرسنل کا تحفظ، مسلمانوں کی فکری رہنمائی، ان کے مذہبی وملی تشخص کی حفاظت، اسلام، قرآن، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت پر اعتراضات اور شکوک وشبہات کا ازالہ جیسے امور بنیادی طور پر دینی علوم کے ماہرین ہی انجام دیتے ہیں ہے۔ لہذا دینی مدارس کا بقاء تحفظ اور ان کے نظام کا باقاعدگی سے جاری رہنا اور حکومتی بدنگاہی سے بچانا، بہر صورت ملت کے لیے ناگزیر ہے، اس نظام سے کسی صورت میں پہلوتہی نہیں کی جاسکتی ہے۔

دوسرے عصر حاضر میں دینی مدارس کے فارغین کی اہمیت وضرورت ایک اور وجہ سے بڑھ گئی ہے اور وہ اس طور پر کہ موجودہ دور میں مسلم طلبہ کی اچھی خاصی تعداد شروع ہی سے ایسے جدید تعلیمی اداروں سے منسلک رہتی ہے جہاں دینی اور اخلاقی تعلیم وتربیت کا کوئی نظم نہیں ہوتا۔ بہت سے والدین وسرپرست ان طلبہ کی مذہبی واخلاقی تعلیم کے لیے فکرمند رہتے ہیں اور اس کمی کی تلافی کے لیے متبادل ذرائع اختیار کرتے ہیں یا تو کسی حافظ یا عالم دین کے ذریعہ اپنے گھروں پر جدید اسکولوں میں زیر تعلیم طلبہ کے لیے مذہبی تعلیم کا بندوبست کرتے ہیں، یا محلہ کی مساجد میں جو سہ پہری یا شبینہ مکاتب ومدارس چلتے ہیں ان میں اپنے بچوں وبچیوں کو بھیجتے ہیں۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ اس نظام کے تحت جدید تعلیمی اداروں کے طلبہ کو دینی تعلیم بہم پہنچانے والے مدارس کے فیض یافتگان ہی ہوتے ہیں۔ واقعہ یہ کہ جدید تعلیم میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کے ماحول میں عصری تعلیم کے اداروں کے طلبہ کے لیے مذہبی تعلیم کا اہتمام اور اس کے نظم کی توسیع وترقی کی ضرورت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس ضرورت کی بہتر طور پر تکمیل کے لیے بھی دینی مدارس کے نظام کی مضبوطی وترقی پہلے سے زیادہ اہمیت اختیار کرگئی ہے۔

ایک اور پہلو سے دینی مدارس کی معنویت لائق توجہ ہے، اسے اس طور پر واضح کیا جاسکتا ہے کہ قدیم وجدید یا دینی وعصری تعلیم میں امتزاج کی ضرورت واہمیت پر اظہار خیال ہوتا رہتا ہے، اس مسئلہ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے سیمینار ومذاکرات منعقد کیے جاتے ہیں۔ بلاشبہ مسلمانوں کے تعلیمی نظام کی اصلاح، ان کی علمی ترقی اور ملی واجتماعی ضروریات کی تکمیل کے لیے دینی وعصری تعلیم کے امتزاج کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اسے وقت کی ایک اہم ضرورت کہا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ مسلم نظام تعلیم کے تحت اعلیٰ تعلیم کے اہتمام سے ایسے افراد کی تربیت بھی مقصود ہوتی ہے جو اسلام کی ترجمانی کا فریضہ بخوبی انجام دے سکیں، دین پر مخالفین کے حملے کا دفاع کرسکیں اور جدید علوم وافکار کی روشنی میں اسلام واسلامی نظام زندگی پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں، وہ ان کا جواب اچھی طرح دے سکیں۔ اس پہلو سے موجودہ دور کے بہت سے مدارس اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور وہ اس طور پر کہ عصری تقاضوں کے مطابق اپنے نصاب میں کچھ جدید علوم کے مضامین شامل کرکے اپنی اسناد کو جدید جامعات یا یونیورسٹیز سے منظور کرا کے ان اداروں میں (ان کے ذمہ داروں کے تعاون سے) طلبہ کو بالخصوص سوشل سائنسز وآرٹ فیکلٹی کے مختلف کورسز میں داخلہ کی سہولیات فراہم کرتے ہیں۔ اس طرح دینی مدراس کے بہت سے فارغین جدید تعلیم سے بھی مزین ہوجاتے ہیں اور عصری علوم میں مہارت حاصل کرکے اپنے اپنے میدان میں قابل قدر علمی خدمات انجام دیتے رہتے ہیں اور دینی علوم میں اپنی صلاحیتوں کو جلا دے کر ملت کی فلاح وبہبود کے لیے اپنی تعلیمی صلاحیتوں کو مزید کارآمد بناتے ہیں۔ عصر حاضر کے دینی مدارس کی اس خدمت کی اپنی افادیت ہے جس کے مظاہر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اور دیگر جدید جامعات میں بھی سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ ذکر بھی برمحل معلوم ہوتا ہے کہ سرسید نہ صرف قدیم وجدید یا دینی وعصری ودینی تعلیم کے امتزاج کے قائل تھے، بلکہ انہوں نے شروع ہی سے اپنے ادارہ میں باقاعدہ اس کا اہتمام کیا تھا جو بعد میں بھی جاری رہا اور اب تو اس ادارہ میں ماشاءاللہ اس پہلو سے کافی پیش رفت ہوچکی ہے۔ مزید یہ کہ سرسید علیہ الرحمہ بھی دینی مدارس کی افادیت وضرورت کے قائل تھے اور اس پر انہوں نے اپنی تحریروں میں واضح انداز میں اظہار خیال کیا ہے، البتہ وہ عصری تقاضوں کے مطابق ان کے نصاب میں ترمیم واضافہ اور ان کے منہج تدریس میں اصلاح کے خواہاں تھے، تاکہ تعلیم کا یہ نظام بدلے ہوئے حالات میں مزید مفید وکارآمد بن جائے۔ مزید براں دینی مدارس کے فارغین کی خدمات کا یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ موجودہ دور میں وطن عزیز کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کے زیر انتظام جو علمی وتحقیقی مراکز قائم ہیں اور جو جو ادارے کتب ورسائل کی اشاعت اور خطبات وسیمینار کے انعقاد کے ذریعہ اسلامی علوم وافکار کی اشاعت اور احکام شریعت کی ترجمانی وتشریح میں سرگرم عمل ہیں انہیں فکری غذا اصلا دینی مدارس سے ملتی رہے۔ واقعہ یہ کہ مدارس کے فارغین ہی زیادہ تر زیر تربیت اسکالر محقق یا رفیق (فیلو) کی حیثیت سے ان علمی اداروں سے وابستہ ہوکر ان کی سرگرمیوں کو آگے بڑھاتے ہیں اور ان اداروں کی انتظامی ذمہ کے نظام کا کمزور ہونا نتیجہ کے طور پر ان اداروں کی داریوں کی انجام وہی میں بھی معتد بہ حصہ مدارس کے فضلاء کا ہوتا ہے۔ ملک کے معروف علمی وتحقیقی اور تصنیفی واشاعتی اداروں کا جائزہ لیا جائے تو یہ صورت حال اچھی طرح واضح ہوجائے گی۔ ان سب باتوں سے مقصود اس جانب متوجہ کرنا ہے کہ دینی مدارس کارکردگی کو بھی متاثر کرے گا۔

عصر حاضر میں دینی مدارس کی ضرورت واہمیت کی وضاحت کے ساتھ ان اداروں کے بہی خواہوں، اہل خیر کو اس جانب متوجہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مدارس کو مالی تعاون دینے کی مختلف معروف شکلیں (زکوۃ، صدقات وخیرات اور عام عطیات) ہیں، لیکن عام صورت حال یہ ہے کہ ان اداروں کو زکوۃ وصدقات کی رقوم کی ادائیگی کے بعد یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کی اعانت کا حق ادا ہوگیا، جب کہ ان اداروں کی ضرورت واہمیت ان کی قابل قدر دینی وعلمی خدمات اور ان کے بڑھتے ہوئے مصارف کا تقاضا یہ ہے کہ صرف زکوۃ وصدقات کی ادائیگی سے ان کے ساتھ تعاون پر اکتفاء نہ کیا جائے، بلکہ حسب گنجائش تعاون کی دوسری صورتیں بھی اختیار کی جائیں اور جس طریقے سے بھی ممکن ہو ان کی مالی حالت کے استحکام کے لیے کوشش کی جائے، یہ نیک مساعی بلاشبہ ملت کے اجتماعی کاز کو تقویت پہنچائیں گی اور بہت سی دینی خدمات کا وسیلہ بنیں گی، ان پر جو اجر وثواب نصیب ہوگا ان کی قدر وقیمت اپنی جگہ مسلم ہے اور ہر شخص ہر حال میں ان کا محتاج ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ قرآن میں اصحاب مال کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں اس جانب بھی متوجہ کیا گیا ہے کہ ان کے اموال میں محتاجوں ومحروموں کا حق ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ”اور جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقررہ حق ہے“۔ (المعارج: ۷۰/۲۵) صاحب ”تفہیم القرآن“ اس آیت کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں: ”مقرر حق کا صحیح مطلب یہ ہے کہ انہوں نے خود اپنے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک حصہ طے کر رکھا ہے جسے وہ ان کا حق سمجھ کر ادا کرتے ہیں، سائل سے مراد پیشہ ور بھیک مانگنے والا نہیں، بلکہ وہ حاجت مند شخص ہے جو کسی سے مدد مانگے اور محروم سے مراد ایسا شخص ہے جو بے روزگار ہو جو روزی کمانے کی کوشش کرتا ہو، مگر اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں، یا کسی حادثے یا آفت کا شکار ہو کر محتاج ہوگیا ہو، یا روزی کمانے کے قابل ہی نہ ہو“ (تفہیم القرآن، ج ۶/ص ۹۰) اس طرح کی آیات پر تدبر وتفکر سے یہ نکتہ اخذ ہوتا ہے کہ محض زکوۃ کی ادائیگی سے مال میں ضرورت مندوں کا حق پورا نہیں ہوجاتا، بلکہ اس کے علاوہ دوسرے طریقے سے بھی ان پر مال خرچ کرنا مطلوب ہے۔ حدیث میں بہت واضح الفاظ میں ارشاد نبوی ہے: ”اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزکوۃ“ جامع ترمذی، کتاب الزکوۃ، باب ان فی المال حقا سوی الزکوۃ) (مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی محتاجوں وغریبوں کا حق ہے)۔ ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث کی مذکورہ بالا ہدایات کا منشا یہ ہے کہ لوگوں کی انفرادی ضروریات ہوں یا ملت کی اجتماعی ضرریات کی تکمیل کا مسئلہ ہو، اصحاب وسائل سے مطلوب ہے کہ زکوۃ ادائیگی کے بعد بھی حسب استطاعت انفرادی واجتماعی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے فیاضی وفراخ دلی کا مظاہرہ کریں۔ عام حالات میں کردار کی یہ بلندی، فراخ دلی وفیاضی تو مطلوب ہے ہی، مخصوص حالات یا ہنگامی صورت حال میں ان اوصاف محمودہ کے مظاہرے کے تقاضے اور بڑھ جاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

جدوجہد آزادی میں ماپلا مسلمانوں کا حصہ

مظاہر حسین عماد قاسمی

ماپلا کون ہیں ؟ موجودہ کیرالا کے شمالی حصے کے مسلمانوں کو اور جنوبی حصے کے سریانی عیسائیوں کو ماپلا کہا جاتا ہے، موجودہ کیرالا کے سات شمالی اضلاع میں مسلمانوں کی آبادی کل آبادی کا سوا انچالیس فیصد ہے، کیرالا کے سات شمالی اضلاع کے اکثر حصوں کو ملبار کہا جاتا ہے، ملبار کا مرکزی شہر کالی کٹ ہے، کالی کٹ کے آس پاس کے علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، کالی کٹ شہر سے جنوب کی طرف چند کلومیٹر کے فاصلے کے بعد ملپورم ضلع شروع ہو جاتا ہے، کالی کٹ شہر سے ملپورم شہر کا فاصلہ پچاس کلومیٹر ہے، ملپورم ضلع کے جنوب مشرق میں پالکاڈ ضلع ہے، اس ضلع کے اکثر علاقے انگریزوں کے زمانے میں مالابار ضلع کا حصہ تھے اور کچھ علاقے کوچین مملکت کا حصہ تھے، کالی کٹ کے مشرق میں ویناڈ ضلع ہے اور شمال میں کنور ضلع ہے، کنور کے شمال میں کاسرگوڈ ہے اور یہ تکوناڈ کا حصہ تھا، جب یکم نومبر انیس سو چھپن کو زبان کی بنیاد پر ریاستوں کی تشکیل ہوئی تو کاسرگوڈ کیرلا کا حصہ بن گیا، اور تکوناڈ کا بقیہ شمالی حصہ کرناٹک کا حصہ بن گیا، موجودہ کرناٹک کے دو اضلاع اڈپی اور دکھن کنڑا تکوناڈ کا حصہ ہیں، انگریزوں کے زمانے میں کنور، کالی کٹ، ویناڈ اور ملپورم اضلاع کے تمام علاقے پالکاڈ ضلع کے اکثر علاقے اور ترشور کے بعض علاقے مالابار ضلع کا حصہ تھے، اٹھارہ سو چھ (1806ء) تک اس علاقے میں کئی چھوٹے چھوٹے راجہ تھے اور ان میں سب سے مضبوط، بہادر، اور زیادہ رقبے پر حکومت کرنے والے سامودری راجہ تھے، سامودریوں کو زیمورین (ZAMORIN) کہا جاتا ہے، سامودریوں کی حکومت گیارہ سو چوبیس (1124ء) سے اٹھارہ سو چھ (1806ء) تک تھی، سامودری مملکت کے راجہ ہندو تھے، مگر عوام کی اکثریت مسلمان تھی، تجارت مسلمانوں کے کنٹرول میں تھی، فوجیوں کی زیادہ تعداد بھی مسلمان تھی، ملبار کے راجاؤں خاص طور سے کالی کٹ کے سامودری راجاؤں نے ہمیشہ یورپی لٹیروں سے جنگ کی، اس لیے جب چار مئی سترہ سو ننانوے کو شیر میسور ٹیپو سلطان شہید ہو گئے اور میسور پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو انگریزوں نے کیرالا کی ان تمام مملکتوں کو بھی ہڑپ لیا، جن مملکتوں نے انگریزوں کی بالادستی کو تسلیم نہیں کیا تھا اور جو ماضی میں ان سے لڑتی رہی تھیں اور ان مملکتوں کو ملا کر ملبار نامی ضلع بنا کر اسے مدراس پریسیڈینسی کا حصہ بنا دیا اور ظلم و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔

یورپی لٹیروں کی آمد: کالی کٹ کے قریب کاپاڈ میں 1498ء میں واسکوڈی گاما پہلی بار ہندستان آیا، اس وقت کے سامودری بادشاہ نے حسب روایت اس کا استقبال کیا، اس نیک دل بادشاہ نے اس لٹیرے کو بھی عرب تاجروں کی طرح صرف ایک تاجر سمجھا، پھر تو ہر سال دو سال پر واسکوڈی گاما اور اس کے ساتھی آتے رہے اور کالی کٹ کی منڈی اور سمندری تجارت پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے رہے، 1500ء ہی میں پرتگالی چھ مساری جہازوں کے ساتھ آئے، مساری جہاز اس زمانے کے سب سے اچھے جہاز مانے جاتے تھے، پرتگالیوں نے ان جہازوں میں توپیں نصب کر رکھیں تھیں، پرتگالیوں نے سامودری سلطنت کے افسران کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو جہاز رانی اور عرب ممالک کی طرف تجارت کرنے سے روک دیں، اور بعض افسران نے پرتگالیوں کی بات مانتے ہوئے مسلمانوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا، جب پرتگالیوں کے اس گھناؤنے جرم کی خبر بادشاہ کے پاس پہونچی تو اس نے پرتگالیوں کو ہندوستان چھوڑنے کا حکم دیا، مگر پرتگالی ہندوستان چھوڑنے کیلیے تیار نہیں تھے، وہ جنگ کی ساری تیاری کر کے آئے تھے، اور بزور طاقت کالی کٹ کی تجارت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔

پہلی یورپی ہندوستانی جنگ: جب پرتگالیوں نے بادشاہ کے حکم کو نظر انداز کر دیا تو بادشاہ نے انہیں بزور طاقت مار بھگانے کا حکم دیا، پرتگالی بھی جنگ پر آمادہ ہو گئے ساحل سمندر کے قریب واقع منڈی میں محب وطن ہندوستانیوں اور یورپی لٹیروں کے درمیان پہلی جنگ ہوئی، جب ساٹھ ستر پرتگالی مار دئے گئے تو بقیہ پرتگالی اپنی چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر سوار ہو کر اپنے ان مساری جہازوں کی طرف بھاگنے لگے جنہیں انہوں نے ساحل سمندر سے ایک دو کلومیٹر دور لنگر انداز کیا تھا، ہندوستانیوں نے سمندر میں بھی ان کا تعاقب کیا مگر انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ پرتگالیوں نے اپنے جہازوں میں توپیں نصب کر رکھی ہیں، پرتگالی جلدی جلدی بچتے بچاتے اپنے مساری جہازوں میں سوار ہوئے اور توپوں کا دہانہ کھول دیا، توپیں آگ برسانے لگیں اور ہندوستانی زیادہ دور تک ان کا تعاقب نہ کر سکے، یورپیوں کے مقابلے میں ہندوستانیوں کی یہ پہلی شکست تھی۔

کوچین راجہ کی بزدلی: پرتگالی کالی کٹ سے بھاگ کر پہلے کوچین گئے، وہاں کے راجہ نے انہیں ہر طرح کی سہولت دی اور ایک قلعہ بنانے کی بھی اجازت دیدی، پرتگالی کوچین سے مصالحت کر کے کنور آئے اور وہاں کے راجا نے شروع میں پرتگالیوں کی مخالفت کی مگر پھر ان سے دوستی کر لی اور کنور میں انہیں ایک قلعہ بنانے کی بھی اجازت دے دی۔

کالی کٹ کی قربانیاں اور اس کا زوال: اب کالی کٹ ریاست دو پرتگالی دوست ریاستوں کے درمیان گھر گئی تھی، کالی کٹ کے شمال میں بانوے (92) کیلومیٹر کی مسافت پر کنور اور جنوب میں ایک سو نواسی (189) کیلومیٹر کی مسافت پر کوچین واقع ہے، کالی کٹ کی تجارت بند ہو گئی، سامودری سلطنت کی عوام خصوصا مسلمان غریب ہو گئے، پرتگالیوں نے ایک غدار کے ذریعے بادشاہ کو زہر دیکر مروا دیا، حالات کو دیکھتے ہوئے بعد کے سامودری بادشاہوں نے پرتگالیوں کے ساتھ 1514ء تا 1555ء پانچ سمجھوتے کئے اور کوئی نہ کوئی شرط لگا کر انہیں کوئی نہ کوئی سہولت عطا کی، مگر دھوکے باز پرتگالیوں نے ہمیشہ سامودریوں اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔

کیرالا کے سب سے بڑے مشہور عالم شیخ احمد زین الدین مخدوم صغیر بن شیخ محمد غزالی بن شیخ زین الدین مخدوم کبیر رحمہم اللہ نے اپنی مشہور کتاب تحفۃ المجاہدین میں پرتگالیوں کے ظلموں اور ان کی بری عادتوں کا تذکرہ بہت تفصیل سے کیا ہے، حضرت شیخ احمد زین الدین مخدوم صغیر کی ولادت 1351ء میں اور وفات 1583ء میں ہوئی تھی، حضرت جب یہ کتاب لکھ رہے تھے اس وقت پرتگالیوں کی کیرلا آمد کو پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا تھا، پرتگالی ہر اعتبار سے کافی مضبوط تھے مگر کالی کٹ کے زیمرون (سامودری) سلطنت کے بادشاہوں اور غیور ماپلا مسلمانوں نے کبھی ہار نہیں مانی اور چودہ سو اٹھانوے سے سولہ سو تیس تک پرتگیزیوں سے مسلسل لڑتے رہے اور یہ انہیں کے مسلسل جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ پرتگیزی کیرلا چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور ان کی طاقت گوا تک محدود ہو گئی۔

کنیالی مرکاروں کی قربانیاں: پرتگیزیوں کے ساتھ ایک سو بتیس سالہ جنگ میں مرکار خاندان کی قربانیاں بہت عظیم ہیں، کنیالی کا مطلب ؟ کنیی (کاف پر پیش، نون غنہ ساکن، پہلی یاء پہ زیر، دوسری یاء ساکن) کا معنی چھوٹا، اور علی سے مراد خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ، کنیالی، کنیی علی کا مخفف ہے، اس کا مطلب ہے، خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جیسا بہادر اور مومن کامل چھوٹا علی۔

مرکار کا مطلب : مرکار (میم اور راء پر دونوں پر زبر ہے، کاف پہ تشدید ہے) کی اصل کے متعلق کئی باتیں کہی جاتی ہیں (۱) کشتیوں کے مالکین کو مرکار کہا جاتا تھا (۲) مرکار مرم سے متعلق ہے، مرم (میم اور را دونوں پر زبر، اور دوسرا میم ساکن) کا معنی درخت ہے، لہذا مرکار کا معنی درخت والے، لکڑی کا کاروبار کرنے والے (۳) ملاحوں کو بھی مرکار کہا جاتا ہے، مرکار کا معنی جو بھی ہو، مرکار ایک خاندان اور برادری کا نام ہے کنیالی مرکار شاہی لقب ہے، یہ ایک لقب تھا جو سولہویں صدی عیسوی میں مرکار خاندان کے سردار کو کالی کٹ کے سامودری بادشاہوں کی طرف سے عطا کیا جاتا تھا، ان میں سے چار کنیالی مرکار بڑے مشہور ہوئے، یہ چاروں مرکار کالی کٹ راجاؤں کے فوجی جنرل اور امیر البحر (ایڈمرل) بھی تھے، ان کا زمانہ تقریباً ایک صدی پر محیط ہے۔

مشہور کنیالی مرکار: (۱) کنیی علی مرکار اول، 1507–15013، ان کا اصل نام کٹی علی تھا، کٹی (کاف پہ پیش اور ٹ پر تشدید ہے) جب سن پندرہ سو عیسوی میں کوچین کے راجہ نے پرتگیزیوں سے دوستی کر لی، اور پرتگیزیوں کی طاقت بڑھنے لگی اور انہوں نے ملباری عوام خاص طور سے مسلمانوں پر ظلم کرنا شروع کیا تو یہ دیکھ کر پندرہ سو پانچ میں محمد کنیی علی مرکار کے والد ممالی مرکار (محمد علی کا مخفف) نے کوچین کے پرانے بندرگاہ پر پرتگیزیوں سے لڑائی کی، ان کی بہت ساری توپوں کو برباد کیا، مگر وقت پر کالی کٹ کی فوجیں نہ پہونچ سکیں اور ممالی مرکار اور ان کے دو بیٹے بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، والد اور بھائیوں کی شہادت کے بعد بھی محمد کنیی مرکار نے بزدلی نہیں دکھائی اور بہادری دکھاتے ہوئے سامودری راجہ کے دربار میں گئے اور پرتگیزیوں کے خلاف جنگ جاری رکھنے کا عزم ظاہر کیا، ان کے جوش و جذبے اور جہد مسلسل کو دیکھتے ہوئے بادشاہ نے 1524ء میں انہیں اپنی بحری فوج کا سردار مقرر کیا اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا لحاظ کرتے ہوئے کنیی علی، یعنی علی کا بچہ، یا چھوٹا علی کا لقب دیا، انہوں نے اپنے ساتھیوں کو گوریلا جنگ کا طریقہ سکھایا اور کیرلا کے پاس والے سمندر میں پرتگیزیوں کو رہنا دوبھر کر دیا (۲) کنیی علی مرکار ثانی، 1531 – 1571 (۳) کنیی علی مرکار ثالث، 1571- 1595 (۴) کنیی علی مرکار رابع 1595 – 1600، ان تمام مرکاروں اور ان کے خاندان کے دیگر افراد نے عظیم قربانیاں دی ہیں، انہوں نے پرتگیزیوں کو کمزور کیا، ان سے مقبوضہ علاقے چھینے اور ہندوستانی بحریہ کو مضبوط کیا، بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ بادشاہ وقت نے اپنی کسی مصلحت یا کمزوری کی وجہ سے پرتگیزیوں سے دوستی کر لی مگر ان بہادروں نے کبھی بھی لٹیرے پرتگیزیوں کے لیے نرمی نہیں دکھائی، کئی مرکار شہید بھی ہوئے مگر ان شہید مرکاروں کی اولادوں کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔

انگریزوں سے جنگ: پرتگالیوں کے بعد انگریزوں سے بھی مسلسل لڑائیاں ہوتی رہیں، اٹھارہویں صدی میں انگریزوں نے اس علاقے میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانا شروع کیا، ان کے اثر و رسوخ کو ختم کرنے، سماجی اور معاشی اصلاحات کے پیش نظر سترہ سو پینسٹھ میں حاکم میسور حیدر علی نے ملبار کے علاقے کو اپنے قبضے میں کر لیا، مگر سترہ سو بانوے کی برٹش-میسور جنگ میں حاکم میسور ٹیپو سلطان کو شکست ہوئی اور وہ ملبار کے کئی علاقے انگریزوں کو سونپنے پر مجبور ہوئے، سترہ سو ننانوے میں ٹیپو کی شہادت کے بعد جنوبی ہند کے دیگر علاقوں کی طرح ملبار پر بھی انگریزوں کا مکمل کنٹرول ہو گیا، اٹھارہ سو چھ (1806ء) میں انگریزوں نے ملبار کی سامودری مملکت کو مکمل طور سے ختم کر کے اس علاقے کو مدارس پریزیڈنسی میں شامل کر لیا، ملبار پر انگریزوں کے کنٹرول کے بعد سے ہی یہاں کے ماپلا مسلمان انگریزوں سے لڑتے رہے ہیں، یہاں کے علماء نے انگریزوں کے خلاف فتوے دیے، اٹھارہ سو ستاون کی پہلی جنگ آزادی سے قبل اٹھارہ سو اکتالیس میں ملپورم میں ماپلا مسلمانوں اور برٹش فوجیوں کے درمیان لڑائی ہونے کی شہادتیں موجود ہیں، اٹھارہ سو ستاون کی جنگ آزادی میں ہندوستانی افواج کی کامیابی کے لیے ملپورم کی بڑی مسجد میں دعا ہوئی تھی، اٹھارہ جون اٹھارہ سو چوراسی میں ملپورم میں ہوئی ایک جنگ میں آٹھ ماپلا مسلمان شہید ہوئے تھے، جب کہ گیارہ انگریز فوجی بھی مارے گئے تھے، ایک یورپی بھی مارا گیا تھا،

تحریک خلافت، ماپلا بغاوت اور عالی مسلیار : مولانا محمد علی جوہر کی تحریک خلافت کو یہاں کافی مقبولیت ملی، کیرالا میں اس تحریک کے سب سے بڑے قائد کا نام عالی مسلیار ہے، کیرلا میں عالم کے لیے مولانا کی جگہ مسلیار بولا جاتا ہے، کچھ لوگ اس کی اصل مصلیار بتاتے ہیں، مصلیار کا معنی ہے، نماز پڑھانے والا، حاجی کو حاجیار کہا جاتا ہے۔

عالی مسلیار : عالی مسلیار منجیری کے قریب نیلی کوت نامی ایک گاؤں میں اٹھارہ سو ترپن میں پیدا ہوئے، پونانی درس میں دس سالوں تک تعلیم حاصل کی، تمام مروجہ علوم حاصل کیے، علم تصوف میں خاصی مہارت رکھتے تھے، کیرالا کے اکثر جامع مساجد میں عالمیت اور فضیلت تک کی دینی تعلیم کا انتظام صدیوں سے رائج ہے، جامع مساجد کی عالم و فاضل بنانے والی تعلیم کو "درس" کہا جاتا ہے، پونانی صدیوں تک کیرالا کا سب سے بڑا علمی مرکز رہا ہے، پونانی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد عالی مسلیار شہید رح مزید اعلی تعلیم کے حصول کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور وہاں شیخ زینی دحلان رح اور شیخ حزب اللہ سلیمان مکی رح وغیرہم سے علم حاصل کیا، مکہ مکرمہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ لکشدیپ چلے گئے اور وہاں کورتی نامی جزیرے میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، وہاں آپ آٹھ سال مقیم رہے، منارکاڈ کے قریب انگریزوں کے ساتھ ایک لڑائی میں تیرہ مسلمان شہید ہوئے، ان میں آپ کے کئی رشتے دار اور بڑے بھائی محمد کٹی بھی تھے، بڑے بھائی کی شہادت کے بعد آپ وطن لوٹ آئے اور مساجد میں درس دینے لگے، وہ ایک قادری صوفی بھی تھے، انہوں نے اپنے درس، میلاد کی مجالس اور مزاروں کے عرسوں کو انگریزوں کے خلاف ذہن سازی کے لیے استعمال کیا، کیرالا میں تحریک خلافت شروع ہونے کے بعد وہ تحریک کے سرگرم کارکن بن گئے، انہیں ارناڈ حلقے کا ذمے دار بنایا گیا، تحریک میں ان کی شمولیت سے ان کے ہزاروں چاہنے والے تحریک کے لیے جان نچھاور کرنے والے بن گئے۔

Scanned with CamScanner

ماہ صفر اور توہم پرستی

مفتی محمد وقاص رفیع

اسلام کے مضبوط عقائد اور پاکیزہ تعلیمات میں عقل اور محبت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ان میں سے اگر کسی ایک چیز کو بھی نکال دیا جائے تو اس کی ساری خوبی اور اس کا سارا حسن ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔عقائد و عبادات کا نظام اگر عقل سے آزاد ہو جائے تو ''توہم پرستی'' والا مذہب وجود میں آنے لگتا ہے اور عقل کو اگر آسمانی وحی پر مبنی عقائد و عبادات سے خالی کر دیا جائے تو ایسی ''مادیت پرستی'' جنم لیتی ہے جو روحانیت کے حسن اور لطف سے بالکل نابلد ہوتی ہے اور نتیجہ دونوں صورتوں میں گمراہی اور محرومی ہی نکلتا ہے۔کہیں جسم کے جائز تقاضوں سے محرومی رہتی ہے تو کہیں روح کے حقیقی مطالبات سے محرومی اختیار کرنی پڑتی ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب کے اکثر و بیشتر لوگ علم و فضل سے ناواقف، دور بینی اور شائستگی سے دور اور تہذیب و تمدن سے یکسر عاری اور تہی دامن تھے۔ جہالت و ضلالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں نے ان میں بت پرستی رائج کر دی تھی اور بت پرستی نے انہیں توہم پرست بنا دیا تھا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی صحیح ہستی کا اقرار، جزاء و سزاء کا تصور اور نیک و بد اعمال پر اچھے اور برے نتیجے کا مرتب ہونا ان کے نزدیک تمسخر اور استہزاء کی باتیں بن کر رہ گئی تھیں۔ جہالت پرستی اور توہم پرستی نے ان کے عقائد و اعمال کو ایسا بگاڑ دیا تھا کہ عقل بھی اس پر خندہ زن تھی۔

شرک و بدعت اور کفر و ضلالت کے ان گھٹاٹوپ اندھیروں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے اور آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کے ذریعہ سے ان کی جہالت کے اندھیروں کو ختم فرمایا۔ ''توہم پرستی'' کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حقیقت شناسی کی تعلیم دی، شرک کی جگہ توحید اور بت پرستی کی جگہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی نورانی تعلیمات عنایت فرمائیں اور عقائد و اعمال میں ان کے لئے ایسا واضح اور صاف راستہ متعین فرمایا جو ان کو جہنم کے اندھیرے اور تاریکی سے نکال کر جنت کی روشنی کی طرف لے جائے۔

لیکن آج کل مسلمانوں میں اسلامی تعلیمات کی کمی اور یورپ و مغرب کی نت نئی تہذیب و ثقافت اور اس کا کلچر قبول کرنے کی وجہ سے ہمارے عام مسلمانوں میں کچھ ایسے خیالات نے جنم لے رکھا ہے کہ جن کا دین و شریعت اور مذہب اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں، اسی جہالت کے نتیجے میں آج بھی زمانہ جاہلیت قبل از اسلام کے ساتھ ملتی جلتی مختلف توہم پرستیاں ''ماہِ صفر'' کے بارے میں بھی پائی جاتی ہیں۔

چنانچہ بعض لوگوں اور خاص طور پر خواتین نے تو اس مہینے کا نام ہی ''تیرہ تیزی'' رکھ دیا ہے اور اس مہینے کو اپنے گمان میں ''تیزی'' کا مہینہ سمجھ لیا ہے۔اس کی حتمی اور قطعی وجہ تو معلوم نہیں ہو سکی کہ اس مہینے کو ''تیرہ تیزی'' کا مہینہ کیوں کہا جاتا ہے؟ البتہ یہ ممکن ہے کہ اس مہینہ کو ''تیرہ تیزی'' کا نام اس لئے دے دیا گیا ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مرضِ وفات جو اس مہینے میں شروع ہوا تھا وہ مشہور روایات کے مطابق تیرہ (۱۳) دن تک مسلسل جاری رہا تھا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہو گیا تھا۔اس سے جہلاء نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تیرہ (۱۳) دنوں میں مرض کی شدت اور تیزی کی وجہ سے یہ مہینہ سب کے حق میں شدید، بھاری اور تیز ہو گیا ہے۔اگر واقعتاً یہی بات ہے تو یہ سراسر ''جہالت'' اور ''توہم پرستی'' کا شاخسانہ ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں اور ایسا عقیدہ رکھنا سخت گناہ ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: ''ماہِ صفر'' میں بیماری، نحوست اور بھوت پریت وغیرہ کا کوئی نزول نہیں ہوتا۔'' (مسلم)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''(اسلام میں نہ امراض کا) تعدیہ ہے، نہ ہامہ اور نہ صفر (کے مہینے کی نحوست) ہے۔'' اس پر ایک دیہاتی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اونٹوں کی ایک جماعت کا کیا معاملہ ہے جو ریت میں اس حال میں ہوتے ہیں کہ گویا وہ ہرن ہیں (یعنی ہرن کی طرح بیماری سے صاف ستھرے ہیں) پھر ان کے ساتھ کوئی خارش زدہ اونٹ آملتا ہے جو اِن سب کو خارش زدہ کر دیتا ہے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اچھا یہ بتاؤ کہ پہلے اونٹ کو کس کے ذریعے سے خارش لگی؟'' یہ سن کر وہ دیہاتی لاجواب ہو گیا۔ (بخاری، مسلم و ابو داؤد)

اسی طرح بخاری شریف میں ہے کہ ''ماہِ صفر'' میں بیماری، بدشگونی، شیطانی گرفت اور نحوست کے اثرات کوئی چیز نہیں ہیں۔اور مسلم شریف میں ہے کہ بیماری، شیطانی گرفت، ستاروں کی گردش اور نحوست کا ''ماہِ صفر'' سے کوئی تعلق نہیں۔ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ''بھوت پریت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔'' (مسلم)

ابن عطیہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا ہے کہ: ''بیماری، شیطانی گرفت اور نحوست دوسروں پر اثر انداز نہیں ہوتی اور یاد رہے کہ بیمار اونٹ دوسرے اونٹوں میں نہ جانے پائے، صحابہؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیمار اونٹ دوسرے اونٹوں کی تکلیف کا سبب بنتا ہے۔'' (مؤطا امام مالک)

دراصل زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ متعدی مرض اور چھوت کی بیماری ہر حال میں دوسرے کو لگتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کوئی دخل نہیں ہے۔یعنی وہ بذات خود بیماری کے دوسرے کی طرف متعدی ہونے کو مؤثر بالذات سمجھتے تھے اور بعض بیماریوں میں طبعی طور پر لازمی خاصیت کے قائل تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باطل عقیدے کی اصلاح فرمائی۔ (فیض القدیر)

بعض احادیث میں اسی نقطہ نظر کے پیش نظر بعض بیماریوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بیماری کا تعدیہ، اور ہامہ اور صفر کوئی چیز نہیں ہیں، اور آپ مجذوم اور کوڑھ (Leprous) کے مریض سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔'' (بخاری)

خلاصہ یہ کہ احتیاطی تدابیر اور اسباب کے درجے میں مؤثر بالذات اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھتے ہوئے وبائی امراض سے حفاظت اور ان سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنے میں قطعاً کوئی حرج اور کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اعلان مفقود الخبری

۲۲/۲۵۸/۱۴۴۵ھ (متدائرہ دار القضاء ہزاری باغ جھارکھنڈ)

کنیز رابعہ بنت محمد اسلام مقام محلہ برواڈیہہ گریڈیہہ ڈاکخانہ ایس پی کولیری ضلع گریڈیہہ

موجودہ پتہ: لوہ سنگھنا ڈاکخانہ و ضلع ہزاری باغ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فریق اول

بنام

محمد عرفان ولد نور محمد مقام و ڈاکخانہ انتظار ضلع بھروچ گجرات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف عرصہ چھ سال سے غائب ولاپتہ ہونے، نان ونفقہ نہ دینے اور جملہ حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی بناء پر دار القضاء امارت شرعیہ ہزاری باغ جھارکھنڈ میں فسخ نکاح کئے جانے کا دعوی دائر کیا ہے، لہٰذا اخبار نقیب کے اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کو دیں اور آئندہ تاریخ ساعت ۴/ستمبر ۲۰۲۴ء مطابق ۳۰/صفر المظفر ۱۴۴۶ھ روز بدھ کو آپ خود مع گواہان وثبوت بوقت ۹/بجے دن مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر عدم حاضری وعدم پیروی کی صورت میں معاملہ ھذا کا تصفیہ کیا جا سکتا ہے۔فقط۔قاضی شریعت

۱۰/۱۴۴۵ھ (متدائرہ دار القضاء بکھڈا بیگوسرائے)

لاڈلی خاتون بنت محمد رفیق مرحوم مقام سجانپور ڈاکخانہ کورے بلاک گڈھ پورہ ضلع بیگوسرائے۔۔۔۔۔فریق اول

بنام

محمد نہال ولد محمد انیس مقام محی الدین پور ڈاکخانہ نیا ٹنگ بلاک حسن پور ضلع سمستی پور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف عرصہ تین سال سے غائب ولاپتہ ہونے، نان ونفقہ نہ دینے اور جملہ حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی بناء پر دار القضاء امارت شرعیہ بکھڈا بیگوسرائے میں فسخ نکاح کئے جانے کا دعوی دائر کیا ہے، لہٰذا اخبار نقیب کے اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کو دیں اور آئندہ تاریخ ساعت ۵/ستمبر ۲۰۲۴ء مطابق یکم ربیع الاول ۱۴۴۶ھ روز جمعرات کو آپ خود مع گواہان وثبوت بوقت ۹/بجے دن مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر عدم حاضری وعدم پیروی کی صورت میں معاملہ ھذا کا تصفیہ کیا جا سکتا ہے۔فقط قاضی شریعت

۲۲۸/۳۲۲۴/۱۴۴۵ھ (دار القضاء جمشید پور)

رخسانہ پروین بنت مشتاق انصاری مقام ہاشمی محلہ بیل گاچھ چوک کپالی چانڈل ضلع سرائے کیلا کھرساواں۔۔۔۔۔فریق اول

بنام

عثمان علی ولد حیدر علی مرحوم مقام مسلم بستی برمامائنس کیریج کالونی تھانہ برمامائنس ضلع مغربی سنگھ بھوم۔۔۔۔۔۔فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

اس معاملہ میں فریق اول نے آپ کے خلاف تقریباً ڈھائی سال سے غائب ولاپتہ ہونے اور جملہ حقوق زوجیت بشمول نان ونفقہ سے محرومی کی بنا پر دار القضاء امارت شرعیہ آزادنگر جمشید پور جھارکھنڈ میں فسخ نکاح کا دعوی دائر کیا ہے، لہٰذا اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کو دیں، اور آئندہ تاریخ ساعت ۲۹/صفر المظفر ۱۴۴۶ھ مطابق ۳/ستمبر ۲۰۲۴ء روز منگل پر آپ خود مع گواہان وثبوت بوقت ۹/دن مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جا سکتا ہے۔۔فقط۔قاضی شریعت

۱۰/۲۱۸/۱۴۴۵ھ (دار القضاء شیوہر)

نور النساء بنت اسلام منصوری مرحوم مقام برہم استھان، اترواری ٹولہ وارڈ نمبر ۹، ڈاکخانہ شیوہر، ضلع شیوہر۔۔۔۔۔فریق اول

بنام

میر منصوری عرف سلیم ولد رزاق منصوری مقام نیا ٹولہ مرلی وارڈ نمبر ۱۶/ڈاکخانہ بیرگنج، ضلع پرسا نیپال۔۔۔۔۔فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف جملہ حقوق زوجیت بشمول نان ونفقہ سے محرومی کی بناء پر دار القضاء امارت شرعیہ شیوہر میں فسخ نکاح کا مطالبہ کیا ہے، وہاں آپ کسی بھی تاریخ ساعت پر حاضر نہیں آئے اور نہ کوئی پیروی کی، لہٰذا اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کو دیں اور آئندہ تاریخ ساعت ۲/ستمبر ۲۴ ۱۴۴۶ھ روز پیر کو آپ خود مع گواہان وثبوت بوقت ۹/بجے دن مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر عدم حاضری وعدم پیروی کی صورت میں اس معاملہ حذا کا تصفیہ کیا جا سکتا ہے۔فقط قاضی شریعت

Scanned with CamScanner

طب وصحت

بارشوں کے موسم میں بیماریوں سے کیسے بچیں؟

بارانِ رحمت قدرت کی مہربانی اور دعاؤں کا نتیجہ ہوتی ہیں، بہت سے لوگ اس بادوباراں سے خوب لطف اندوز ہوتے ہیں اور بارش کے مختلف پکوانوں اور سیروتفریح سے محظوظ ہوتے ہیں۔ مگر اس موسم میں مختلف بیماریاں جن میں ہیضہ، ٹائیفائیڈ، ملیریا، ڈینگی، ہیپاٹئٹس، ڈائریا وغیرہ قابل ذکر ہیں، بھی جنم لیتی ہیں۔ احتیاط سے کام لیتے ہوئے ہم ان سے خود کو بچا سکتے ہیں اور بارانِ رحمت سے بھرپور طریقے سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

ملیریا زیادہ تر بارشوں کے موسم میں ہونے والی ایک عام لیکن خطرناک بیماری ہے۔ یہ مادہ اینافلیز مچھر کے ذریعے پھیلتا ہے۔ یہ مادہ مچھر انسان کو کاٹ کر ملیریا کے جراثیم انسان کے خون میں منتقل کر دیتی ہیں جو ملیریا کا سبب بنتے ہیں۔

ملیریا کی خاص علامات میں تیز بخار، الٹیاں، سر میں درد، سردی، تھکن، نزلہ، کھانسی وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اوقات جوڑوں میں درد، یرقان، بے ہوشی کے دورے، اور پھر ملیریا کے شدید حملے میں اعصابی نظام بھی بری طرح متاثر ہوتا ہے اور موت بھی واقع ہو سکتی ہے، جلد پر خارش اور سرخ دھبے ملیریا کی نشانیوں میں شامل ہیں۔ مریض کے خون کے معائنے اور اس کے سرخ جسیموں میں پلازموڈیم کی موجودگی ثابت کرنے کے لیے مریض کا لیبارٹری ٹیسٹ کروانا لازمی ہوتا ہے۔ ملیریا سے بچاؤ کے لیے مچھروں کو تلف کرنا اور مچھروں کے کاٹنے سے بچاؤ بے حد ضروری ہے۔ بارشوں کے موسم میں ٹھہرے ہوئے پانی کو صاف کرنا اور اپنے گھر اور علاقے کو صاف رکھنے سے مچھروں کی افزائش کی روک تھام سے ممکن ہو سکتی ہے۔

ٹائیفائیڈ نامی مرض سالمونیلا ٹائفی (Salmonella Typhi) نامی بیکٹریا سے ہوتا ہے۔ یہ آلودہ غذا اور پانی کے استعمال سے انسانی صحت کو متاثر کرتا ہے۔ ٹائیفائیڈ کے جراثیم مکھیوں اور گرد وغبار کے ذریعے کھانے پینے کی اشیاء میں شامل ہو جاتے ہیں یا پھر دوسری صورت میں ٹائیفائیڈ میں مبتلا مریض کے ہاتھ کی اشیاء یا آلودہ خوارک یا پانی کے ذریعے بھی صحت مند انسان میں منتقل ہو سکتے ہیں۔ ٹائیفائیڈ کی اہم علامات میں بخار کے ساتھ ساتھ سر درد اور پیٹ میں درد اور اسہال شامل ہیں۔

ٹائیفائیڈ کے بیکٹر یا مریض کے پیٹ خاص طور پر آنتوں پر اثر انداز ہوتے ہیں جس کے باعث آنتوں میں ورم اور آبلے کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور دست شروع ہو جاتے ہیں اور پھر مرض شدید ہونے کی صورت میں آنتوں سے خون بھی خارج ہونے لگتا ہے۔ اس بیماری میں مریض کو مکمل آرام کے ساتھ ہلکی پھلکی غذا استعمال کرنی چاہیے۔ چائے، کافی اور دیگر کاربونیٹڈ مشروبات سے گریز کرنا چاہیے۔ پانی، سوپ اور تازہ جوس وغیرہ کا استعمال زیادہ کرنا چاہیے۔ ٹائیفائیڈ جیسے مرض سے بچنے کے لیے صحت اور صفائی کا ہر ممکن خیال رکھنا چاہیے، خصوصاً برسات کے موسم میں پانی ابال کر استعمال کرنا چاہیے اور کھانے پینے کی تمام اشیاء کو مکھیوں اور دوسرے کیڑے مکوڑوں اور گرد وغبار سے بچا کر، ڈھک کر رکھنا چاہیے۔ کھانے سے پہلے اور رفع حاجت سے فراغت کے بعد لازمی طور پر ہاتھوں کو اچھی طرح صابن سے دھونا چاہیے۔ مریض کے رفع حاجت اور پیشاب کو فوراً اچھی طرح سے بہانا چاہیے۔ اپنے گھروں کے اندر اور گلیوں میں کوڑا کرکٹ اور غلاظت کے ڈھیر نہیں لگنے دینے چاہئیں ورنہ ان میں مکھیاں پیدا ہو کر بیماریوں کا باعث بنتی ہیں۔

ڈینگی بخار بھی مچھروں کے کاٹنے سے پھیلتا ہے لیکن ڈینگی پھیلانے والے مچھر صاف پانی میں پرورش پاتے ہیں۔ ڈینگی وائرس کا سبب بننے والی مادہ جس کے جسم پر سیاہ رنگ کی دھاریاں پائی جاتی ہیں، صاف پانی، پانی کے ٹینکیوں، گملوں، نکاسی آب کے راستوں، بارش کے پانی، ساکن پانی، صاف پانی کے بھرے ہوئے برتنوں وغیرہ میں انڈے دیتی ہیں۔

ڈینگی بخار میں ابتدائی علامات میں نزلہ وزکام کے بعد شدید بخار، بھوک کا نہ لگنا، آنکھوں کے پیچھے درد ہونا، جسم میں شدید درد، پٹھوں اور جوڑوں میں شدید درد کے ساتھ جسم پر دھبوں کا نمودار ہو جانا، سانس لینے میں دشواری، مریض کے خون میں Platelets اور سفید خلیات کی کمی شامل ہیں۔

ڈینگی وائرس کی ابھی تک کوئی ویکسین یا دوا دریافت نہیں ہوئی ہے لہٰذا جیسے ہی اس کی علامات ظاہر ہوں، مریض کو جس قدر ممکن ہو پانی اور تازہ شربت وغیرہ پلانا چاہیے اور قریبی میڈیکل سینٹر سے رابطہ کرنا چاہیے۔

ڈینگی مچھر سے احتیاط ہی اس موذی مرض سے بچنے کا واحد ذریعہ ہے اور احتیاطی تدابیر میں مچھروں سے بچاؤں کے لیے پانی کی ٹینکی، بالٹی اور دوسرے پانی کے برتنوں کو ڈھک کر رکھنا چاہیے اور بارش کا پانی کہیں بھی جمع نہیں ہونے دینا چاہیے۔ دروازے اور کھڑکیوں پر مچھروں سے بچنے کے لیے جالی لگوانی چاہیے اور گھروں اور دفاتر وغیرہ میں مچھر مار اسپرے بھی کرتے رہنا چاہیے۔

کھانے کو فریج میں رکھنے سے بہتر ہے کہ ہر وقت تازہ پکے ہوئے کھانے استعمال کیے جائیں۔ ان سب کے ساتھ ساتھ پانی اور تازہ پھلوں کا جوس بھی زیادہ سے زیادہ استعمال کریں اور اُبلے ہوئے صاف پانی کو ہی پینے کے لیے استعمال میں لانا چاہیے کیونکہ اس موسم میں ٹائیفائیڈ وغیرہ گندے پانی کے ذریعے ہی پھیلتے ہیں۔

ہیضہ جو کہ Vibrio Cholera نامی بیکٹریا کے ذریعے پھلتا ہے، کی وجہ زیادہ تر گندا پانی، پرانی اور باسی خوارک ہے اور موسم برسات میں کھانے پینے میں لاپروائی اور آلودہ پانی کے سبب اس مرض میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں کا ہاضمہ کمزور ہوتا ہے وہ اس بیماری میں جلدی مبتلا ہوتے ہیں۔ چھوٹے بچے بھی ہیضہ سے جلد متاثر ہوتے ہیں۔ ہیضہ کے جرثومے مریض کی چھوٹی آنت میں پہنچ کر بہت زیادہ مقدار میں ٹاکسن پیدا کرتے ہیں۔ اگر مریض کا بروقت علاج نہ کیا جائے تو وہ بے حد نڈھال ہو جاتا ہے۔ نظام تنفس اور نظام انہضام پر بہت اثر پڑتا ہے۔ ہیضے کی تشخیص میں تازہ پاخانے کا معائنہ بھی کیا جاتا ہے اور مریض کو بروقت طبی امداد دے دی جائے تو اس کی صحت بحال ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ ہیضے کے مریض کو فوری طور پر جسم میں پانی کی کمی کو پورا کرنا بے حد ضروری ہوتا ہے، جس کے لیے اس کو نمکیات والے محلول پلانا مفید ہوتا ہے۔ ہیضے سے بچنے کے لیے اپنے گھر اور اردگرد کے ماحول کو صاف ستھرا رکھنا چاہیے اور بارشوں کے موسم میں خصوصاً پانی کو ابال کر استعمال کریں اور بازاری کھانوں اور مشروبات سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کھانے پینے کے برتنوں اور کھانوں کو ڈھانپ کر اور مکھیوں سے بچا کر رکھنا چاہیے اور خراب سبزیوں اور پھلوں کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

موسم میں پہلے سے کٹے ہوئے پھل نہ کھائیں اور سبزیوں کو اچھی طریقے سے دھو کر پکانا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ تازہ پھل اور سبزیاں ہی استعمال کی جائیں اور معیاری غذائیں استعمال کرنی چاہئیں کیونکہ ایک اچھی صحت اور مختلف امراض کے خلاف جسم میں قوت مدافعت کو درست رکھنے کے لیے معیاری غذاؤں کا استعمال بے حد ضروری ہے۔ صاف ستھری اور تازہ خوراک استعمال کریں کھانے کو فریج میں رکھنے سے بہتر ہے کہ ہر وقت تازہ پکے ہوئے کھانے استعمال کیے جائیں۔ ان سب کے ساتھ ساتھ پانی اور تازہ پھلوں کا جوس بھی زیادہ سے زیادہ استعمال کریں اور اُبلے ہوئے صاف پانی کو ہی پینے کے لیے استعمال میں لانا چاہیے اس موسم میں ٹائیفائیڈ وغیرہ گندے پانی کے ذریعے ہی پھیلتے ہیں۔ ان سب کے علاوہ مچھروں سے بچنے کے لیے مچھر مار اسپرے کرنا چاہیے۔ ہلکے رنگوں کے مکمل آستینوں والا لباس زیب تن کرنا چاہیے اور گھروں کے اندر کسی بھی برتن میں اور باہر بارش کا پانی جمع نہیں ہونے دیا جانا چاہیے۔

ہفتۂ رفتہ

راشد العزیری ندوی

اوقاف کا تحفظ ہماری شرعی، ملی اور سماجی ذمہ داری: مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

مسجد طیبہ زکریا کالونی سعد پورہ مظفر پور کی افتتاحی تقریب سے بصیرت افروز خطاب

اوقاف ملت کا قیمتی اثاثہ ہے، مساجد مزارات، خانقاہیں، قبرستان، مدارس اسلامیہ وغیرہ اوقاف کی زمینوں پر قائم ہیں، شریعت کا حکم ہے کہ ان کی آمدات کو واقف کی منشاء کے مطابق ہی خرچ کرنا ہے، اس کے انتظامی امور کا سربراہ متولی ہوگا، زبانی اور دستاویزی سبھی قسم کے اوقاف پر یہ قانون نافذ ہوگا، واقف کا مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں ہے، کوئی بھی ان کاموں کے لیے اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد وقف کر سکتا ہے ان دنوں حکومت ہند کی بری نظر اوقاف پر ہے اور وہ پرانے وقف ایکٹ میں چوالیس ترمیم کر کے وقف کی مذہبی اور شرعی حیثیت کو ختم کرنا چاہتی ہے، اسی مقصد سے بل پارلیمنٹ میں پیش کیا جا چکا ہے اور حزب مخالف کی مخالفت کی وجہ کر جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کے سپرد غور وخوض کے لیے کیا گیا ہے ان خیالات کا اظہار آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن تاسیسی اور امارت شرعیہ کے نائب ناظم مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی نے کیا، وہ نو تعمیر شدہ مسجد طیبہ زکریا کالونی سعد پورہ مظفر پور کی افتتاحی تقریب سے جمعہ سے قبل خطاب فرما رہے تھے، مفتی صاحب نے فرمایا کہ اوقاف کا تحفظ ہماری شرعی، ملی اور سماجی ذمہ داری ہے، مسلمانوں کو اس کی حفاظت کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے، مسلم پرسنل لا بورڈ کے قائدین تحفظ کی اس تحریک کو جس طرح آگے بڑھائیں ہمیں ہر قدم پر ان کا ساتھ دینا چاہیے، مفتی صاحب نے فرمایا کہ مسجد کا نسبی اور مذہبی رشتہ کعبۃ اللہ سے ہے اور نمازیوں کے واسطے سے کعبہ کی تجلیات اور انوار و برکات گاؤں اور محلہ کی مسجد تک پہنچتی ہے اور نمازی ان برکات کو لے کر اپنے گھر جاتا ہے اس لئے مسجد سے رشتہ کو مضبوط کیجیے اور اور پنج وقتہ باجماعت نماز کا اہتمام کیجئے انہوں نے کہا کہ مسجد کو ایمانی دعوت، اصلاحی تحریک وغیرہ کا مرکز بنائیں اس سے مسجد کی طرف رجوع عام ہوگا، مفتی صاحب کے بیان کو سننے کے لیے بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوئے تھے جن میں علماء اور حفاظ کی بھی کافی تعداد تھی، مفتی صاحب کی دعا پر اس افتتاحی تقریب کا جمعہ کی نماز کے بعد اختتام ہوا۔

کوچنگ سنٹر حادثہ پر سپریم کورٹ سخت ناراض، کہا 'یہ موت کے چیمبر بن گئے ہیں

گزشتہ دنوں دہلی کے کوچنگ سنٹر میں یو پی ایس سی کی تیاری کر رہے 3 امیدواروں کی بیسمنٹ کے پانی میں ڈوب جانے سے ہوئی موت پر ہنگامہ مچا ہوا ہے۔ حادثہ کے بعد پورے ملک میں کوچنگ سنٹر کی جانچ پڑتال شروع ہو گئی ہے اور کئی کوچنگ سنٹرس پر تالا بھی لگ چکا ہے۔ معاملے کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے سپریم کورٹ نے بھی اس سلسلے میں اپنا سخت رخ ظاہر کر دیا ہے۔ سپریم کورٹ نے اس معاملے پر از خود نوٹس لیتے ہوئے مرکز و دہلی حکومت کو نوٹس جاری کر دیا ہے۔ سپریم کورٹ نے کہا ہے کہ جب تک کوچنگ اداروں میں تحفظ کے معیار کو یقینی نہیں بنایا جاتا تب تک آن لائن کلاسز ہی چلائے جائیں۔ عدالت نے مزید کہا کہ ملک کے الگ الگ حصوں سے آئے امیدواروں کی زندگی سے کوچنگ ادارے کھیل واڑ کر رہے ہیں جو ایک سنگین معاملہ ہے۔ عدالت نے مرکز اور دہلی حکومت کو نوٹس جاری کرتے ہوئے جواب مانگا ہے کہ اس سلسلے میں معیاری تحفظ پر کیسے عمل کیا جائے۔

تاج محل کو 'شیو مندر' قرار دے کر 'گنگا جل' چڑھانے کے الزام میں دو نوجوان گرفتار

تاج محل کے تعلق سے ایک مرتبہ پھر تنازعہ کھڑا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے شیو مندر قرار دے کر گنگا جل چڑھانے کا واقعہ منظر عام پر آیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق تاج محل میں گنگا جل چڑھانے کے الزام میں دو نوجوانوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتار ملزمان پانی کی بوتل میں گنگا جل لے کر تاج محل پہنچے تھے۔ ویڈیو سوشل میڈیا پر وائرل ہونے کے بعد ملزمان کو گرفتار کر لیا گیا۔ ویڈیو میں انہیں تاج محل کے احاطہ میں اس طرح گنگا جل چڑھاتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے، جس طرح ہندو عقیدت مند اسے شیولنگ پر چڑھاتے ہیں۔ پولیس نے کہا کہ ان کی دلیل یہ تھی کہ تاج محل کوئی یادگار نہیں بلکہ شیو مندر ہے۔ ملزمان نے گنگا جل کو ایک اسٹیکر پر ڈالا گیا جس پر اوم لکھا ہوا تھا۔

Volume:64/74,Issue:30 R.N.I.N. Delhi Regd. No.BIHURD/4136/61Printed & Published by Rizwan Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

Scanned with CamScanner

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND
NAQUEEB *WEEKLY*
PHULWARI SHARIF,PATNA 801505
SSPOS PATNA Regd.No.PT-14 13-5-24-26
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/1961

دوستوں سے اس قدر صدمے اٹھائے جان پر
دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا
(حیدر علی آتش)

این ڈی اے کی جیت پر اے ڈی آر کی رپورٹ

سراج نقوی

بی جے پی قیادت والے محاذ این ڈی اے کی لگاتار تیسری مرتبہ جیت پر انتخابی نتائج سامنے آنے کے بعد سے ہی سوال اٹھتے رہے ہیں لیکن یہ سوال اس لیے کسی قدر دب گئے کہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود بی جے پی چارسو کا اپنا اعلانیہ نشانہ پار کرنے اور اپنے دم پر حکومت سازی میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ حالانکہ الیکشن کمیشن کی جانبداری اور اس کے متنازعہ فیصلوں پر انتخابی عمل کے دوران بھی سوال اٹھتے رہے ہیں لیکن مودی کی تیسری مرتبہ عہدے کا حلف لینے کے بعد یہ سوال بھی دب گئے۔ البتہ کئی حلقوں میں مبینہ انتخابی دھاندلیوں کو لیکر مقدمات بھی عدالتوں میں دائر ہوئے ہیں لیکن ان میں سے کسی پر کوئی فیصلہ ابھی تک سامنے نہیں آیا ہے۔

البتہ انتخابی دھاندلیوں کے الزامات کو سامنے رکھتے ہوئے انتخابی عمل پر نگاہ رکھنے والی ایک مستند تنظیم ایسوسی ایشن فار ڈیموکریٹک ریفارمس (اے ڈی آر) نے جو رپورٹ چندروز قبل جاری کی ہے اس کے سبب مبینہ انتخابی دھاندلیوں کا معاملہ ایک مرتبہ پھر سرخیوں میں ہے۔ یہ رپورٹ 29 جولائی کو جاری کی گئی ہے۔ اے ڈی آر نے اس سلسلے میں باقاعدہ ایک پریس کانفرنس کر کے انتخابی بدعنوانی کے اپنے دعوے کے حق میں کچھ اعداد و شمار پیش کیے ہیں۔ اگر ان اعداد و شمار پر یقین کیا جائے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حکمراں محاذ نے اپنی جیت کو یقینی بنانے کے لیے الیکشن کمیشن جیسے ادارے کا جم کر استعمال کیا۔ یہاں اس بات کو دوہرانے کی ضرورت نہیں کہ سپریم کورٹ ماضی قریب میں الیکشن کمیشن کی کب کب اور کس طرح سرزنش کر چکا ہے۔ بہرحال اے ڈی آر نے پریس کانفرنس میں اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے دعوی کیا کہ مجموعی طور پر 362 پارلیمانی حلقے ایسے تھے کہ جن میں کل ڈالے گئے ووٹوں کے مقابلے میں 5,54,598 ووٹ کم پائے گئے۔ الیکشن کمیشن کا ان مبینہ طور پر غائب ووٹوں کے بارے میں کوئی جواب تادم تحریر سامنے نہیں آیا ہے۔ اس کے برعکس دوسرا معاملہ کل ڈالے گئے ووٹوں سے زیادہ ووٹوں کا ہے۔ اے ڈی آر کی رپورٹ میں دعوی کیا گیا ہے کہ 176 انتخابی حلقوں میں کل گنے گئے ووٹوں سے 35,093 ووٹ زیادہ پائے گئے۔ یہ ووٹ کس طرح زیادہ ہوئے اس کی بھی مدلل وضاحت الیکشن کمیشن کی طرف سے ابھی تک نہیں آئی ہے۔ رپورٹ میں اس بات پر بھی تنقید کی گئی ہے کہ الیکشن کمیشن نے ووٹنگ فیصد سے متعلق قطعی اعداد و شمار جاری کرنے میں حد سے زیادہ تاخیر کی۔ میڈیا بھی اس معاملے پر انتخابی مراحل کے دوران لکھے گئے کالموں میں تنقید کر چکا ہے۔ کئی سیاسی پارٹیاں بھی اسے لیکر اپنا احتجاج کر چکی ہیں۔ لیکن ابھی تک نہ کوئی نتیجہ نکلا ہے، اور نہ ہی کم از کم کمیشن کی سطح سے اس پر کچھ کیے جانے کی ہی امید ہے۔ اس لیے کہ ایک مرتبہ کسی کو فاتح رکن کی سند جاری کر دینے کے بعد اس معاملے پر کوئی مختلف فیصلہ کرنے کی مجاز عدالتیں ہی ہیں۔ بہرحال یہ بات تو صاف ہے کہ اے ڈی آر کی رپورٹ میں جو دعوے کیے گئے ہیں وہی دعوے اس سلسلے میں دوران الیکشن شائع ہونے والی کچھ خبروں اور رپورٹوں میں بھی کیے گئے تھے۔ اے ڈی آر قائم کرنے والے جگدیپ چھوکر نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ 'کیا انتخابی نتائج کا اعلان آخری اعداد و شمار کی بنیاد پر کیا گیا تھا؟ چھوکر نے صاف طور پر انتخابی نتائج کی سچائی پر تشویش ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ اس سے عوام میں شبہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ بی جے پی کے دور اقتدار میں حکومت کے کئی آئین ادارے اور نوکرشاہوں نے خود کو ایسے شکوک وشبہات سے اوپر مان لیا ہے۔ ایک جمہوری ملک میں یہ رویہ حکومت اور زیر تنقید اداروں کی آمریت ہی ثابت کرتا ہے۔ ان اداروں کی جواب دہی کسی بھی حکومت سے زیادہ آئین اور قانون کے تئیں ہوتی ہے لیکن جب آئین اور قانون کو ہی حکومت اپنے مفادات کی تکمیل تک محدود کر لے اور آئین اداروں کی غیر جانبداری کو مختلف ہتھکنڈوں سے سلب کر لیا جائے تو الیکشن کمیشن جیسے ادارے سے ہی کسی شفافیت یا ایمانداری کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ اے ڈی آر کی رپورٹ میں بھی الیکشن کمیشن کی پراسرار خاموشی پر انگلی اٹھائی گئی ہے۔ لیکن ظاہر ہے الیکشن کمیشن کے لیے اس طرح کے اعتراضات بے معنی ہیں۔ اس لیے کہ جمہوریت کے باوجود کمیشن اپنی جوابدہی کو صرف حکومت تک ہی محدود مانتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کمیشن اپنے اوپر لگنے والے الزامات کا کوئی مدل جواب دیتا، یا اگر الزامات کو غلط تصور کرتا تو پھر الزام لگانے والوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرتا لیکن ان الزامات پر الیکشن کمیشن کی خاموشی اس کی بے گناہی نہیں بلکہ اس کے مشکوک کردار کو ہی ثابت کرتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ الیکشن کمیشن نے ان الزامات پر کوئی پریس کانفرنس کر کے جواب دینے کی زحمت بھی نہیں کی ہے۔ مجھے نہیں معلوم اس کا سبب سیاسی آقاؤں کی طرف سے کی گئی کوئی ہدایت ہے، یا کچھ اور لیکن یہ رویہ جمہوریت کو بہرحال کمزور کرتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مودی کے اب تک کے دور اقتدار میں بیشتر آئینی اداروں اور جانچ ایجنسیوں کے رویے میں اس طرح کی تبدیلی کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اپنے سامنے کسی کو نہ گردانںے والی مودی یا ان کی حکومت کی پالیسی نے تمام اداروں کو بھی اس راہ پر لگا دیا ہے کہ وہ صرف اور صرف حکومت کے سامنے ہی خود کو جوابدہ ماننے لگے ہیں۔

اے ڈی آر نے اپنی رپورٹ جاری کرتے ہوئے الیکشن کمیشن سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ انتخابات کی شفافیت اور قانونی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے الیکشن کمیشن کو ہر ایک پارلیمانی حلقے میں دوٹروں کی کل تعداد، ووٹر رجسٹر میں درج ووٹروں کی کل تعداد اور تمام پارلیمانی حلقوں میں ای وی ایم کے مطابق دوٹروں کی تعداد شائع کرنی چاہیے۔ لیکن الیکشن کمیشن اے ڈی آر کے اس مناسب مشورے پر توجہ دیگا، اس کی کوئی امید نہیں۔ ظاہر ہے جب ادارے کسی آمرانہ نظام کے سامنے خود سپردگی کر دیں تو اس طرح کی شفافیت برتنے کے مشورے بھی بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اے ڈی آر نے یہ بھی کہا ہے کہ ووٹروں کے دل میں پیدا ہونے والے کسی بھی شبہ کو دور کرنے کے لیے، الیکشن کمیشن کو 2019,2024 کے لوک سبھا انتخابات اور مستقبل میں ہونے والے تمام انتخابات کے لیے عوامی سطح پر مندرجہ ذیل جانکاری مہیا کرانی چاہیے۔ رپورٹ میں مطالبہ کیا گیا ہے اس سلسلے میں قانونی وئی طور پر پر بھرا جانے والا فارم 17 کی فارم 20، فارم 21 کی، فارم نارم 121 ڈی اور فارم 21 ای بھی عوام کے سامنے منے رکھنا چاہیے۔ لیکن اے ڈی آر نے الیکشن کمیشن لو جو مشورے دیے ہیں وہ انتخابی عمل کو شفاف ثابت کرنے اور کمیشن پر لگنے والے جانبداری کے ممکنہ الزامات سے بچنے کے لیے ہیں لیکن اگر مقصد شفافیت نہ ہو کر آئین و قانون کی جگہ حکمرانوں کی جی حضوری ہو جائے تو پھر اس طرح کے اقدامات کی الیکشن کمیشن سے توقع کرنا لاحاصل ہے۔ انتخابات سے قبل اپریل ماہ میں انڈپنڈنٹ میں معروشہ مظفر نے اپنے ایک مضمون میں اس صورتحال کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا تھا کہ ماضی میں انڈیا کے انتہائی پیچیدہ اور کثیر الجہتی انتخابات کے منصفانہ انعقاد کے لیے مشہور اس ایجنسی کو اب ناقدین مودی کی حکمراں بھارتیہ جنتا پارٹی کی حمایتی تنظیم کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ظاہر ہے مودی حامی عناصر اس الزام سے اختلاف کرینگے اور الیکشن کمیشن تو ان اعتراضات پر کوئی جواب دینے میں بھی اپنی توہین سمجھتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ الیکشن کمیشن کی دن بہ دن بگڑتی ہوئی اس شبیہ نے ہماری جمہوریت کو ہی عالمی سطح پر مشکوک کر دیا ہے۔ بات صرف مذکورہ صحافی کے ذریعہ ظاہر کی گئی رائے کی ہی نہیں ہے، بلکہ مودی حکومت کے اب تک کے دور اقتدار میں عالمی میڈیا یا مختلف سماجی تنظیموں، حقوق انسانی کے اداروں اور غیر جانبدار ملکی و غیر ملکی اہم شخصیات نے جمہوریت کے مسلسل زوال پر سوال اٹھائے ہیں۔ الیکشن کمیشن کے تعلق سے اے ڈی آر کی تازہ رپورٹ بھی اسی سلسلے کو آگے بڑھاتی ہے لیکن اس کا بھی حشر وہی ہوگا کہ جیسا اس سلسلے کی دیگر رپورٹوں کا اب تک ہوتا رہا ہے۔

☆ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے، فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں، مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر یا دیئے گئے کیو آر کوڈ اسکین کر کے آپ سالانہ یا ششماہی زرتعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر دیئے گئے موبائل نمبر پر خبر کر دیں، رابطہ اور واٹس ایپ نمبر 9576507798 (محمد اسعد اللہ قاسمی منیجر نقیب)
A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168,Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233
نقیب کے شائقین نقیب کے آفیشیل ویب سائٹ www.imaratshariah.com پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔
WEEK ENDING-12/08/2024, Fax : 0612-2555280, Phone:2555351,2555014,2555668, E-mail: naqueeb.imarat@gmail.com
نقیب | قیمت فی شمارہ -/8 روپے | ششماہی -/250 روپے | سالانہ -/400 روپے

Print & Design by : Azimabad Printers, Patna-06 # 8434419421,9304022690

Scanned with CamScanner